تجلیات افکار امام رضاؑ

تحریر: مرضیہ محمد زادہ

ترجمہ: ممتاز علی

مقدمہ

معرفت کے گونا گوں موضوعات پر امام رضاؑ کی فکری اور معنوی تجلیات کا مختصر جائزہ مقصود ہے۔ مختلف علوم ومعارف پر دستیاب اہم تصانیف آپ کے بلند مراتب اور کامل ومکمل برتری کی دلیل ہیں۔

ہمارے ائمہ زندگی کے ہر دور میں اپنے زمانہ کی حکومت کے ظلم وستم کا نشانہ رہے۔ ان کے چاہنے والوں اور پیروکاروں کا بھی تعاقب کیا گیا، وہ ہمیشہ معتوب ومطرود رہے، ان کی زندگی ہمیشہ سختیوں اور دشواریوں کا شکار رہی، اس کے باوجود وہ معرفت کے مختلف موضوعات میں ائمہ کے علم و دانش سے کسب فیض کرتے رہے۔

ائمہ کی طرف سے ایک مکمل ثقافتی تحریک ہمیشہ موجود رہی تاکہ اہلبیت علیہم السلام کو مسلمانوں کے فکری محور کے عنوان سے پہچاننے میں آسانی ہو۔ وقت اور زمانہ کے سیاسی حالات کی گنجائش کے مطابق ان کی تحریک رواں دواں رہی۔ وہ اسلام کی حقانیت کے دفاع میں عقلی توجیہات پیش کرتے تھے اور دین وعقائد مذہب تشیع کے دفاع کے لئے ایسے شاگردوں کی تربیت بھی فرماتے تھے جو اس مکتب کا عقلی اعتبار سے دفاع کرنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

امام رضاؑ کا دور مکتب تشیع کے لئے بڑا طوفانی دور ہے۔ امامؑ کی شہادت کی کیفیت نے شیعوں کے درمیان فرقۂ واقفہ کی پیدائش اور رشد کا راستہ پیدا کردیا۔

دوسری طرف بنی امیہ کے اختتامی دور سے ترجمہ کی سرگرمی نے بھی اسلامی معاشرہ میں انحرافی افکار کے پھیلنے میں مدد پہونچائی۔

بنی امیہ کے زوال اور بنی عباس کے ابتدائی دور میں ثقافتی کاموں کے ساتھ ساتھ سیاسی آزادی کے جو نتائج ہونے چاہئے تھے وہ سامنے آتے رہے۔

جن افراد نے حکومت بنی امیہ کے خاتمہ کے لئے بنی عباس کی مدد کی تھی رفتہ رفتہ انہیں یہ بات بھی سمجھ میں آنے لگی کہ ظلم وستم اور بے رحمی میں بنی عباس ان سے کچھ کم نہیں ہیں۔ ایسے افراد انقلابی تو تھے ہی وہ علویین کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی دوبارہ انقلاب برپا کرنے کی تلقین کرنے لگے۔

امین و مامون میں اختلاف کی بناپر بنی عباس کی حکومت کمزور پڑ رہی تھی ایسے میں ہر فرقہ، ہرگروہ اور جماعت اپنے اندر حکومت کی لیاقت ثابت کرنے میں سرگرم تھی۔ مامون کا امام رضاؑ کو مدینہ کی طرف بلانا بھی اس مقصد کا ایک حصہ تھا۔

اعتزال کی طرف میلان کی بناپر مامون نے اس زمانہ میں عقائد کی بحث کے سلسلہ میں آزادی دے دی۔عوام بھی معتزلہ کے عقلی نظریہ سے اسلامی مسائل پر نظر ڈالنے لگے۔ معاشرہ کی فکری فضا کو مختلف راستوں سے مکدر بنانے کے لئے مامون نے بھی مختلف راستوں حتی کہ غیر اسلامی کلامی فرقوں سے بھی اس مقصد کے حصول کے لئے مدد لی۔

جب سیاسی پرآشوب ماحول میں معاشرہ گھرا تھا اور فکری پریشاں خیالی میں سب کے سب گم تھے تو اس وقت امام رضاؑ نے خاندان وحی ورسالت سے ارتباط کی بناپر اپنی فکری صلاحیت اور ولایت مطلقۂ الٰہی سے استفادہ کرتے ہوئے مکتب تشیع کی صحیح رہنمائی فرمائی اور معاشرہ کی طوفان زدہ کشتی کو نجات کے ساحل تک پہونچا دیا۔

امامؑ نے ایک بار پھر یہ ثابت کردیا کہ اہلبیتؑ ہی وارث علم پیغمبر، کلام الٰہی کے حقیقی مفسر اور حامل سنت رسولؐ اکرم ہیں۔ وہی امت کی پناہ گاہ، ملت کے رہنما اور ہر ظلمت، جہالت ونادانی میں ہدایت کا چراغ ہیں۔ دین کے بلند معارف کے سلسلہ میں اہلبیتؑ کی پناہ چاہنے والے افراد کی فہرست جدا ہے۔

امین ومامون کے درمیان جنگ اور اس کے بعد امام رضاؑ کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش آنے کی بناپر کچھ سکون کا ماحول مل گیا اور اسی مدت میں حضرت کے ذریعہ بہت سی حدیثیں آپ کے چاہنے والوں تک پہونچ گئیں۔ اپنے اصحاب سے بیان کردہ امامؑ کی بعض حدیثیں اور مسائل فہمی کے لئے کیے گئے بعض سوالات کے جوابات، بعض مورخین اور تذکرہ نویسوں نے بیان کئے ہیں اور کچھ افراد نے آپ کی بعض تالیفات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

تالیفات امام رضا علیہ السلام

الف: رسالہ ذہبیہ ،موضوع طب

اس رسالہ کے اسناد مذکور ہیں بعض کا سلسلہ محمد بن جمہور تک پہونچتا ہے۔بعض میں حسن بن محمد نوفلی کا نام آتاہے۔ نجاشی کی نظر میں یہ موثق ہیں ان کا کہنا ہے کہ" یہ ثقہ اور جلیل القدر ہیں۔ انہوں نے امام رضاؑ کے ایک رسالہ کی روایت بیان کی ہے" امام رضاؑ کا رسالہ ہونے کے بارے میں کسی قسم کا کوئی معمولی سا بھی شبہ علماء ومحققین نے ظاہر نہیں کیا ہے لہٰذا حضرت کی طرف اس کا انتساب ممکن ہے۔

طبی علوم پر مبنی یہ رسالہ گراں قدر اسلامی میراث ہے علم تشریح، بیالوجی، فیزیولوجی، علم الامراض اورطبی اعتبار سے امراض سے بچاؤ کا طریقہ اس مختصر رسالہ میں درج ہے اس کے علاوہ اس رسالہ میں علم کیمیا،علم تغذیہ اور دوسرے علوم بھی شامل ہیں۔

۲۰۱ھ میں امام رضا علیہ السلام نے مامون عباسی کو یہ رسالہ لکھ بھیجا۔اس زمانہ میں علم طب کو وہ عملی صورت حاصل نہیں تھی، یہ علم تجربات کی ابتدائی منزلوں سے گذررہا تھا ،علمی انکشافات کی بنیاد قائم نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح اس زمانہ میں ابھی جراثیم کے بارے میں بھی معلومات کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔ غذا میں ویٹامن کی حیثیت سے واقفیت نہیں حاصل ہوئی تھی، جراثیم سے مقابلہ کا بھی انکشاف نہیں ہوا تھا۔

اس رسالہ کا ظاہری پہلو بہت ہی سادہ اورعوام الناس کے فہم سے بہت نزدیک ہے لیکن باطنی رخ بہت ہی پیچیدہ اورعمیق ہے جس میں علمی تحقیقات اورطولانی بحث کی ایسی گنجائش ہے جس کی بناپر بہت سے اسرار وانکشافات کو جدید علمی حقائق پر منطبق کیا جاسکتا ہے۔[۱]

ایک علمی نشست میں امام رضاؑ ، مامون عباسی اور نیشاپور کے کچھ فلسفی مثلاً یوحنا بن ماسویہ طبیب، جبرائیل بن بختیشوع طبیب ،فلسفی صالح بن سلہمہ ہندی اور دیگر مفکرین موجود تھے، طب کے موضوع پر بدن کی صحت وسلامتی اورقوام جسم سے متعلق گفتگو چھڑی ہوئی تھی ،مامون اور دوسرے ماہرین بڑی بڑی باتیں کررہے تھے ایسے موقع پر امامؑ خاموش تھے۔ مامون نے کہا اے ابوالحسنؑ اس موضوع پر کچھ فرمائیے۔

امامؑ نے کہا کہ مرور زمانہ سے تجربات کی بناپر کچھ نظریات میرے پیش نظر ہے۔ نیز اسلام نے جو آگاہی دی ہے وہ سبھی میرے سامنے ہے ہر انسان کے لئے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے

انسان ان کے ترک میں معذور نہیں ہے اس سلسلہ شناخت کی ضروری چیزوں کے ساتھ ساتھ میں تجربات ونظریات کو بھی جمع کر رہا ہوں۔

اس کے بعد مامون نے بلخ کے لئے رخت سفر باندھا اور امامؑ کا قیام اس وقت مرو میں تھا اس نے خط لکھ کر امامؑ سے وعدہ پورا کرنے کی خواہش کی۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا۔

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

امابعد آپ کا خط ملا اس میں کھانے پینے کی چیزوں، دواؤں کے استعمال، فصد وحجامت، حمام ونورہ، قوت باہ اور اس کے علاوہ ان چیزوں کے بارے میں اپنی سنی ہوئی باتوں اور تجربات کو تحریر کرنے کی فرمائش کی گئی ہے اور جسم کی صحت وسلامتی کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں ان کے بیان کا بھی تذکرہ مقصود ہے لہٰذا جسم کی اصلاح کے لئے جو چیزیں لازمی ہیں خدا کی توفیق سے ان کی توضیح وتشریح کی جارہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے رسالہ کا آغاز فرمایا

مامون اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے اس کی اہمیت کے پیش نظر سونے سے لکھ کے ''دار الحکمۃ'' کے خزانہ میں حفاظت سے رکھنے کا فرمان صادر کردیا۔اسی وجہ سے اسے رسالہ ذہبیہ کہتے ہیں۔

اس رسالہ کی تعریف کرتے ہوئے مامون کہتا ہے ''ادیب ودانشمند حبیب، منطقی طبیب اپنے ابن عم کے رسالہ کو میں نے دیکھا، یہ جس کی اصلاح، موت کی چارہ سازی اور کھانے پینے کے حدود کی تعیین بیان کرتا ہے۔ میں نے اللہ کے کرم وبخشش اور انعام کا اسے اعلیٰ نمونہ پایا۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا اور اس میں غوروفکر سے کام لیا۔ میں نے جب بھی اس کا مطالعہ کیا اس میں حکمت کی باتیں ملیں۔ میرے اوپر اس کے فوائد ظاہر ہوئے اور میرا دل اس سے مطمئن ہوگیا اسی وجہ سے میں نے اسے یاد کرلیا جب میں نے اس کے مطالب پر غور وخوض کیا تو اسے بہت بڑا سرمایہ، سودمند مجموعہ اور گراں بہا پسندیدہ ہدیہ پایا لہٰذا اس کی نفاست اور عظیم فوائد کی بناپر میں نے حکم دیا کہ اسے سونے کے پانی سے لکھا جائے پھر اس کا نام ''رسالہ ذہبیہ'' رکھا گیا میری سلطنت کے کچھ ہاشمی نوجوانوں نے جب اس کے کچھ نسخے نقل کرلئے تو اسے میں نے خزانہ'' دار الحکمۃ'' میں محفوظ کردیا... کیوں کہ غذا کا صحیح استعمال جسم کی اصلاح کا باعث ہے اور اگر جسم صالح ہوتو بیماریاں دور رہتی ہیں اور بیماریوں سے تحفظ کی بناپر زندگی ملتی ہے، زندگی ہی حکمت حاصل کرتی ہے اور حکمت کے ذریعے جنت ملتی ہے۔ یہ

رسالہ تحفظ اور نگہبانی کے لئے سنہری ادارہ اور صلاح واعتبار کا حامل ہے۔ یہ ایسا حکیم ہے جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور ایسا مشیر ہے جو مشورہ طلب کرنے کے قابل ہے یہ علم کا ایسا ذخیرہ ہے جس کے امرو نہی پر عمل کی ضرورت ہے۔

ایسے گھرانہ سے یہ رسالہ حاصل ہوا ہے جہاں سے عوام کا احکام پیغمبرؐ پیغام انبیاء، دلائل اوصیاء اور دانش علماء حاصل کرتے ہیں۔ قلوب کو شفا ملتی ہے، جہل اور دلوں کا اندھا پن ختم ہوتا ہے۔ اس گھرانہ کے اولین وآخرین اور خورد وبزرگ سب پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔

میں نے علماء اطباء، صاحبان تصنیف وتالیف محققین اور حکمت کے اپنے نامور خواص کے سامنے اس رسالہ کو پیش کیا، سب نے اس کی تعریف کی، اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا اس کے مصنف کے بلند مرتبہ کا اعتراف اور اس کے مندرجات کی صحت کی تصدیق کی۔[۲]

بہت سے علماء اور دانشوروں نے اس رسالہ کی شرح کی ہے نمونہ کے طور پر چند نام پیش کئے جارہے ہیں۔

۱۔ ترجمہ العلوی لطب الرضوی: مصنفہ سید ضیاء الدین ابی الرضا فضل اللہ بن علی الراوندی متوفی ۵۴۸ ہجری۔

۲۔ترجمۃ الذھبیۃ: اس کے مصنف فتح علی شاہ قاچار کے دور کے استاد طب ونجوم ملا فیض اللہ عصار شوستری ۱۱۰۷ھ یعنی فتح علی کے زمانۂ حکومت میں موجود تھے۔ تہران یونیورسٹی کے کتب خانہ مشکوٰۃ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے یہ کتاب ۱۱۳۳ھ میں لکھی گئی ہے۔

۳۔ ترجمۃ الذہبیہ: اس کے مصنف ملا محمد باقر مجلسی ہیں۔ یہ قلمی کتاب کاظمیہ کے کتب خانۂ سید حسن صدر مرحوم میں موجود ہے۔

۴۔ عافیۃ البریّہ فی شرح الذہبیّہ: اس کے مصنف میرزا محمد ہادی ابن میرزا محمد صالح شیرازی ہیں۔ یہ کتاب شاہ سلطان حسین صفوی کے زمانہ میں تالیف ہوئی اور نجف اشرف کے کتب خانۂ سید حسین ہمدانی میں موجود ہے۔

۵۔شرح طب الرضا: اسے ۱۱۲۰ ہجری میں ملا محمد شریف خاتون آبادی نے تالیف فرمائی ہے۔

۶۔ ترجمۃ الذہبیہ۔ ۱۱۵۵ھ میں سیدی محمد بن محمد بدیع رضوی مشہدی نے اسے تحریر فرمایا ہے۔

یہ کتاب شہر خراسان میں شیخ علی اکبر نہاوندی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۷۔شرح طب الرضا: اس رسالہ کو سید علی اکبر شبّر (متوفی ۱۲۴۲ھ) نے تحریر فرمایا ہے شیخ نوری کہتے ہیں میں نے یہ نسخہ دیکھا ہے۔

۸۔شرح طب الرضا: مؤلفہ ملاحاج محمد رضا ابن حاج محمد حسن مشہدی مدرس متوفی ۱۲۵۷ھ

۹۔شرح طب الرضا: ملا نوروز علی بسطامی کی تالیف ہے۔

۱۰۔المحمودیہ: حاج میرزا کاظم موسوی زنجانی (متوفی ۱۲۹۲ھ) کی قلمی تصنیف ہے جو ان کے نواسوں کے پاس موجود ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے صاحبان علم نے اس رسالہ کے اسرار و دقائق کی توضیح وتفسیر وتشریح کی ہے۔

دوسری تالیفات

امام رضا علیہ السلام کی طرف منسوب دوسری کتابیں بھی ہیں مثلاً ''فقہ الرضوی'' ''صحیفۃ الرّضا''، ''محض الاسلام''، ''جوابات مسائل ابن سنان''۔

یہ کتابیں لوگوں کے پوچھے گئے سوالات کا جواب ہیں۔آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے انہیں زیور تحریر سے آراستہ نہیں کیا ہے۔ اگر کسی کتاب کو آپ کی طرف جرئت اور وثوق سے منسوب کیا جاسکتا ہے وہ طب کے موضوع پر صرف ''رسالۂ ذہبیہ'' ہے

اسلامی معاشرہ میں مناظرے

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام علی رضاؑ کی بامعرفت زندگی دوحصوں میں منقسم ہوجاتی ہے۔پہلا حصہ آغاز امامت یعنی ۱۸۳ھ سے خراسان تک سفر یعنی ۲۰۱ھ تک ہے۔ دوسرا حصہ ۲۰۱ھ کے درمیانی حصہ سے شروع ہوکر ۲۰۳ھ یعنی آپ کی شہادت پر ختم ہوتاہے۔ اس حصہ کے حالات گذشتہ ائمہ کے زمانہ کے حالات سے مختلف ہیں۔

ولی عہدی کے زمانہ کے مناظروں میں صرف علمی اور ثقافتی پہلو مضمر نہیں ہے بلکہ ان میں سیاسی اور قیادت وحکومت کے مسائل بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بنی امیہ کی حکومت کلامی فرقوں کی پشت پناہ اور حامی تھی۔ ولایت عہدی کے زمانہ کے مناظرے اپنے دامن میں علمی پہلو رکھتے

تھے اور کلامی فرقے کسی سیاسی پشت پناہی کے بغیر میدان میں اترتے تھے مثلاً فرقۂ واقفیہ سے امامؑ کے مناظرے، مدینہ، کوفہ اور بصرہ کے مناظرے۔ اس وجہ سے ولی عہدی سے قبل و بعد کے مناظروں میں بڑا فرق ہے۔ ولی عہدی سے پہلے ہونے والے مناظروں میں شکست خوردہ افراد اپنی شکست کا اعتراف نہیں کرتے تھے لیکن ولی عہدی کے بعد چونکہ حاکم مناظرہ کے جلسوں میں موجود ہوتا تھا اس وجہ سے ہارنے والے افراد کے لئے اپنی شکست کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔ جیسا کہ جاثلیق نے یہ اعتراف کیا کہ "میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ آپ جیسے افراد بھی مسلمانوں میں موجود ہیں" چونکہ یہ مناظرے آمنے سامنے ہوتے تھے اور کوئی مخصوص شخص فیصلہ کرنے والا بھی ہوتا تھا اس وجہ سے اس کے نتائج بڑے اہم ہیں۔

چونکہ کلامی ادیان و مکاتب کے پیشوا، امامؑ سے علمی برابری نہیں کرسکتے تھے اس بنا پر وہ شکست کھا گئے اور سب پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام کی موجودگی میں ان کے آئین قابل پیروی نہیں ہیں۔ شیعوں کے پاس بہترین رہبر اور عمدہ کلامی فکر موجود ہے دوسرے کلامی مکاتب فکر کے نزدیک یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ خالص اسلام انہیں کے پاس ہے اور اگر کسی کو خالص اسلام چاہئے تو اسے اہلبیتؑ سے حاصل کرسکتا ہے۔

زندیقوں کے نظریات نے اس زمانہ کے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں شک والحاد پیدا کردیا تھا لیکن اہل کتاب کے مناظروں نے عقلی اور فکری جدال کا معرکہ گرم کردیا۔ یہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مجوس و صابئین تھے اس زمانہ میں نصاریٰ و مجوس سے مسلمانوں کا زبردست مباحثہ و مناظرہ ہوا۔ اہل کتاب مسلمانوں کے معاہد تھے اور اس بنا پر پیغمبرؐ نے ان سے نرم رویہ کی تاکید کی تھی [۳۱] لہٰذا دونوں فرقوں کے صاحبان فکر و نظر نے اپنے دین کی برتری پر ایک دوسرے سے مناظرہ کیا۔

یہود و نصاریٰ سے مناظرہ کا خاص سبب مسلمانوں کا یہ دعویٰ تھا کہ انہوں نے اپنی آسمانی کتاب میں تحریف کرڈالی ہے جبکہ ان کی کتابوں میں پیغمبر اور مسلمانوں کی فتوحات کی بشارت موجود ہے۔ وہ ہٹ دھرمی کی بنا پر اس بشارت کا انکار کرتے ہیں اس طرح وہ اپنی کتابوں میں تحریف یا کم سے کم تاویل کے مرتکب ہیں یہود و نصاریٰ کے ساتھ بحث واحتجاج کا سلسلہ درحقیقت عہد پیغمبرؐ اسلام ہی سے جاری تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں جب فتوحات کا آغاز ہوا تو اس وقت بھی یہ سلسلہ موجود تھا۔ لیکن اموی خلفاء نے ان مسائل پر چنداں توجہ نہیں دی۔ عباسی خلفاء میں مہدی نے علماء کو

زندیقوں کے شر سے دفاع کی ترغیب دلائی اور کہا کہ ان کی تردید کا اہتمام کیا جائے۔ مامون نے منکرین اسلام سے بحث ومناظرہ میں سعی بلیغ کی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہر سہ شنبہ کو وہ مختلف ادیان کے علماء و محققین کے لئے اپنے سامنے مناظروں کی مجلس آراستہ کرتا تھا۴ اس کا خیال تھا کہ مخالف پر حجت اور دلیل کے ذریعہ غلبہ حاصل کیا جائے، طاقت کے ذریعہ نہیں کیوں کہ زوال قدرت کے بعد غلبہ بھی ختم ہوجاتا ہے ۵ وہ بعض مناظروں میں خود بھی شرکت کیا کرتا تھا۔۶ ان مناظروں میں کبھی کبھی علی بن موسیٰ علیہ السلام بھی شرکت فرماتے تھے۔ یہود ،نصاریٰ اور ثنویہ سے آپ کے احتجاجات بہت مشہور ہیں۔ اس مقالہ میں ان کا تذکرہ بھی آئے گا متوکل کے بعد ایسے مناظرے موقوف ہوگئے جو علم کلام کے رواج کا باعث تھے۔

ان مجادلات میں جو نکتے پیش ہوتے تھے وہ قدیم زمانہ سے موجود تھے اور باربار دہرائے جاتے تھے۔

یہودی نسخ شریعت کو جائز نہیں جانتے تھے یا کم سے کم وقوع نسخ کے منکر تھے، ان کا عقیدہ حضرت موسیٰ کی شریعت کی ابدیت کے اعتقاد پر مبنی تھا۔

متکلمین اسلام یہودیوں کے اس نظریہ کو رد کرتے تھے اور مصلحت کی بناپر تغیر کے جواز کی وجہ سے نسخ کے قائل تھے ۷

ان تمام باتوں کے باوجود اس زمانہ میں یہودی علماء سے مسلمانوں کے مناظرے عیسائیوں سے کم تھے لیکن نصاریٰ سے گفتگو میں بہت زیادہ شوروغوغا رہا۔ ان مناظروں میں اسلامی متکلمین نے فقط مسیحؑ کی الوہیت اور تثلیث نصاریٰ کو ہی رد نہیں کیا بلکہ انجیل اور توریت کی تحریف پر بھی ان کی خاص توجہ تھی اور انہوں نے ان کی تحریف پر بھی بہت اعتراضات کئے۔۸

ایران کے شہروں خصوصاً خراسان اور عراق میں مجوسیوں کے ساتھ بارہا بڑے اہم مناظرے ہوئے ، مامون کے عہد میں زرتشت علماء سے بھی مسلمانوں کے مناظرے ملتے ہیں۔ مجوسیوں کی رد میں معتزلہ نے خاص اہتمام کیا اور واصل بن عطا عمرو بن عبید اور ابو الہذیل علاّف جیسے افراد نے مجوسیوں کو رد کرنے کی کوشش کی۔ علمائے اسلام نے مجوس اور تمام ثنویہ فرقوں کے دوازلی مدبّر کے عقیدے کو عالم کے فساد کا سبب قرار دیا اور خیروشر کی نسبت نوروظلمت کی طرف غلط قرار دیا۔ بہر حال ان مناظروں میں انصاف وادب کی رعایت قائم رہتی تھی ۹

اسلام میں علم ودانش کے لئے کسی خاص زبان ومکان کی قید نہیں ہے۔ اس لئے یہ امید تھی کہ اسلامی فکر کی جڑیں اس وقت کی تمام متمدن دنیا میں ہر طرف پھیل جائیں گی۔ اموی زمانۂ خلافت میں متعدد وجوہات کی بنا پر یہ امید بارآور نہیں ہوئی لیکن عباسی دور حکومت خصوصاً عہد مامون میں امید کی یہ فضا ہموار ہوگئی ۱۰؎

مامون نے کتابوں کے ترجمہ کی کوشش کی اس سلسلہ میں اس نے بہت سرمایہ صرف کیا۔ مطالعہ اور حکماء سے معاشرت کی بنا پر وہ بہت خوش ہوتا تھا ۱۱؎ اسی وجہ سے اس زمانہ میں علم کی نشرواشاعت کا کام بہت ہوا۔ صاحبان علم نیز فلسفہ اور منطق کی قدردانی ہوتی تھی۔اسی وجہ سے مترجمین نے اسلام کے مرکز خلافت کا رخ کیا۔ ۱۲؎

مامون کے زمانہ میں علوم کے مختلف شعبوں میں بہت سے افراد پیدا ہوئے مثلاً شافعی اور احمد بن حنبل جیسے عظیم فقیہان اہل سنت مشہور کتاب صحیح بخاری کے محدّث امام بخاری، نامور مورخ واقدی، عصر معتصم کے بہت بڑے شاعر اور کتاب ''حماسہ'' کے مولف ابو تمام، موسیقی کے استاد اسحاق ابن ابراہیم وغیرہ لیکن اس زمانہ میں سب سے اہم کام یونان کی علمی فلسفی کتابوں کا ترجمہ تھا۔عہد مامون میں اس کی بڑی قدردانی ہوئی۔ اسلام میں پہلی دانش گاہ ''دار الحکمۃ'' کو مامون ہی کے ہاتھوں رونق ملی۔ یہ تعلیمی مرکز بھی تھی اور اس میں ایک بڑا کتب خانہ اور رصد خانہ بھی موجود تھا۔

اسی زمانہ میں خوارزمی جیسا ریاضی دان بھی تھا جو جبر کے بارے میں منظّم مطالعہ کرنے والا پہلا شخص ہے۔ اس نے حساب سے اسے جدا کیا۔ کلدانی یونان اور سریان کے ترجمہ کی نگرانی کے لئے اس نے افراد معین کئے اور ترجمہ کے امور کی نگرانی وہ خود بھی کیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں لوگوں نے بھی نایاب کتابوں کی فراہمی کے لئے بہت پیسے خرچ کئے۔

ترجمہ کے رواج کا طبیعی نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے ترجمہ کے بارے میں بحث وتحقیق کی اس پر حاشئے تحریر کئے۔کبھی کبھی غلطیوں کی اصلاح بھی کی گئی۔ طب فلسفہ، حساب، منطق ہندسہ اور نجوم میں ماہر اسحاق کندی نے اپنی تالیفات میں ارسطو کے رویہ کی پیروی کی۔ اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابیں عربی زبان میں منتقل کیں۔ ان کے مشکل مسائل کی توضیح کی، اس طرح اس علمی دور میں فلسفہ، طب، نجوم، ریاضیات، منطق، ہیئت، جغرافیہ اور تاریخ کی کتابوں کا ترجمہ ہوا اور ''دارالحکمۃ'' جو ہارون کے زمانہ میں بنایا گیا تھا اسے مامون کے اہتمام سے مخصوص رونق حاصل

ہوئی۔ ۱۳۱

منحرف آئین کے متعصب پیروکار مترجمین نے اس عہد میں ترجمہ کو اپنے مسموم اعتقاد کی نشرواشاعت کا ذریعہ بنایا جو قابل تشویش تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت کوئی قوی ، پرہیزگار اور دردمند علمی گروہ موجود نہیں تھا جو غیروں کے قلمی آثار کو اسلامی فکر کی چھلنی میں چھان ڈالتا اور مفید معارف کو معاشرہ کے حوالہ کرتا۔ اس ثقافتی افراتفری کے ماحول میں امام رضاؑ کا عظیم فریضہ اور کارنامہ نمایاں نظر آتا ہے ۔ آپ نے ایسے خطرناک حالات میں اسلامی عقیدے اور ثقافت کے دفاع کا بیڑا اٹھایا اور اپنی حکیمانہ قیادت سے معاشرہ کو انحراف وشبہات کی بھیانک موجوں سے آگاہ کردیا۔

دینی مسائل میں امامؑ کا عقیدہ تھا کہ اگر کوئی لوگوں کو انحراف کا شکار پائے اور اسے دور کرسکتا ہوتو اس کا فریضہ ہوجاتا ہے کہ وہ اسے دور کرے۔ اس بناپر ہم دیکھتے ہیں کہ امام رضاؑ کے زمانہ میں فکری انحراف اپنے عروج پر تھا کیوں کہ اغیار کی کتابیں خصوصاً فلسفی الحادی نظریات کئی سال پہلے ہی سے شروع ہوکر معاشرہ پر اثر انداز تھے۔ کچھ کلامی جماعتیں اپنی حقانیت کے اثبات اور دفاع کی غرض سے رائج ہوچکی تھیں۔ دوسری طرف بنی عباس کی دی ہوئی چھوٹ کی بناپر اغیار کے افکار گل کھلا رہے تھے۔ ان عوامل سے مجموعی طور پر فکری پریشاں خیالی پیدا ہوگئی تھی۔امام رضاؑ نے اس کجروی کو دورکرنے کے لئے کچھ اقدامات کئے۔منجملہ ان کے آپ نے امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد اپنے تعارف اورحقیقت دین سے منحرف ہوجانے والوں کے شبہات دور کرنے کے لئے بصرہ کا سفر کیا،اسی غرض سے کوفہ کا بھی قصد فرمایا، کوفہ والوں نے آپ کا اچھا استقبال کیا۔حفص بن عمیر یشکری کے گھر آپ قیام فرما ہوئے۔ بہت سے علماء اور فقہاء اپنے سوالات کے ساتھ وہاں حاضر ہوئے۔ امامؑ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

ان دونوں شہروں میں امامت کے مخالفین اور انکے ہمنواؤں سے آپ کا مناظرہ ہوا پھر ان کی غلطیوں سے آپ نے انہیں آگاہ فرمایا مختلف مکاتب فکر کے ہواخواہوں اور طرفداروں سے بھی آپ نے مناظرہ کیا۔ پھر ولی عہدی کے بعد بھی بہت اہم مناظرے ہوئے۔ان تمام مناظروں میں اسلام کے دفاع پر آپ کی توجہ مرکوز رہی اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ جب مناظرہ میں سب کو شکست ہوئی تو آپ نے یہ اعلان کردیا کہ اسلام کے اوپر اگرکسی کو کوئی اعتراض ہوتو وہ بتائے تاکہ اس کا جواب پیش کیا جائے۔

جدید فکری حالات میں شیعہ اپنے افکار کو معین اور واضح کرنا چاہتے تھے۔ امامؑ کے کلمات ان حقائق کے لئے راہنما تھے۔ خدا کی رویت، قیامت اور مسئلہ جبر وتفویض وغیرہ پر سوالات ہوئے۔ امامؑ نے اس کی مکمل توضیح کی۔ مبانی شیعہ کی توضیح کرتے ہوئے مختلف افراد کو امامؑ نے جو خطوط لکھے ہیں ان کو پڑھنے سے اس کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب وسنت میں اہل بیتؑ کی منزلت ومقام، شیعہ سنی کے درمیان بعض کلامی اور اختلافی مسائل مثلاً مسئلہ ایمان ابو طالبؑ ۱۴، مصداق شیعہ کی توضیح، مصداق صحابی کی توضیح، اولی الامر کے معنی وغیرہ ایسے سوالات کے جوابات تھے جس سے شیعوں کا حقیقی نظریہ سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ روز عرفہ امامؑ کا، اپنا مال لوگوں میں تقسیم کر دینے کے بعد فضل ابن سہل کا یہ اعتراض بھی سامنے آتا ہے کہ یہ تو بہت بڑا نقصان ہے لیکن امامؑ فرماتے ہیں کہ یہ موقع غنیمت ہے۔

مختلف ادیان ومکاتب کے بزرگوں اور عالموں سے خراسان میں مناظرے ہوئے امامؑ نے ان مناظروں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ علمی دلچسپی کے اظہار کی خاطر مامون نے امامت ونبوت کے موضوع پر مخالفین کے ساتھ اپنی موجودگی میں مناظروں کا اہتمام کیا اس کے پس پشت کیا وجہ تھی اس سلسلہ میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے۔

ا۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ مامون چونکہ فکری اعتبار سے معتزلی تھا اور عقیدہ کے مسائل میں معتزلہ آزادانہ تنقید وتحقیق کے قائل ہیں لہذا مامون نے بھی یہی کہا۔ ڈاکٹر زید الرفاعی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مامون کے اطراف معتزلیوں کے بڑے بڑے افراد موجود تھے اور اس کا مربی یحیٰ بن مبارک بھی معتزلی تھا اس وجہ سے ہم اسے معتزلی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر رفاعی فرماتے ہیں کہ حقیقت میں مامون کا کوئی مذہب نہیں تھا وہ حکومت سے وابستہ اس کلامی گروہ کی حمایت کرتا تھا اور اس کا حامی تھا جو اس کے مقصد میں تعاون کرسکتا تھا ۱۵

۲۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ مامون چونکہ علم دوست اور علماء کا طرفدار تھا وہ علم کی ترقی کے لئے ایسے مناظراتی جلسے منعقد کیا کرتا تھا۔

اگر مامون کی حکومت کے ابتدائی پانچ برسوں پر نظر ڈالی جائے تو اس میں ہمیں کہیں بھی ایسے جلسے دکھائی نہیں دیتے۔ جب امامؑ ولی عہد بن گئے تو پھر اس کے بعد اس طرح کی باتیں شروع ہوئیں پھر امام رضاؑ کی شہادت کے بعد یہ جلسے ختم ہوگئے صرف بغداد میں کچھ جلسے منعقد ہوئے جن کا

مقصد امام جوادؑ سے ٹکراؤ تھا۔

اگر مامون طرفدار علم تھا تو ایسے جلسے جہاں بھی منعقد ہوئے تھے وہاں اس کی حمایت ہونی چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جب مامون کو یہ معلوم ہوا کہ علم کلام کے موضوع پر امام رضاؑ نے کچھ جلسے منعقد کئے ہیں اور لوگ علم کے گرویدہ ہوتے جارہے ہیں تو مامون نے اپنے نگہبانوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو وہاں جانے سے روک دیں۔[16]

۳۔ آیت اللہ مکارم شیرازی فرماتے ہیں کہ مامون صرف یہ چاہتا تھا کہ اہل بیتؑ سے بے پناہ محبت کرنے والے ایرانیوں کی نظر سے امامؑ گرجائیں۔ اس کا گمان یہ تھا کہ امامؑ صرف قرآن وحدیث سے آشنا ہیں اور فنون علم و استدلال سے واقف نہیں ہیں۔[17]

اگر یہ نظریہ درست ہے تو پھر مامون نے امامؑ سے طب کے موضوع پر رسالہ لکھنے کی فرمائش کیوں کی؟ اور پھر اس رسالہ کے پڑھنے کے بعد اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسے آبِ طلا سے لکھنے کا فرمان صادر کردیا اور اسی وقت سے اس کا نام ''الرسالۃ الذھبیہ'' ہوگیا۔

۴۔مورخین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ایک عالم حکمراں کی حیثیت سے پہچانے جانے کی مامون کے اندر صلاحیت موجود تھی بالخصوص ایران اور بالعلوم اسلامی معاشرہ میں اسے سب علم و دانش کا شیدائی تسلیم کرسکتے تھے اور بات اس کی حکومت کے لئے ایک امتیاز بن سکتی تھی اور اس طرح وہ ایک گروہ کو اپنی طرف متوجہ کرسکتا تھا۔ اس نظریہ کی تنقید میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مامون تنہا مناظرہ کرسکتا تھا جیسا کہ علی ابن ابیطالبؑ کی خلافت اور دوسرے افراد پر ان کی فضیلت کے سلسلہ میں اس نے لوگوں سے تن تنہا مناظرہ کیا لہٰذا امامؑ کو دعوت مناظرہ دینے کی کیا دلیل ہے؟

کہا جاسکتا ہے کہ بعض مناظروں کے سیاسی ہونے کے تاریخی آثار موجود ہیں چونکہ سیاسی مسائل کی کوئی ایک وجہ نہیں ہوتی۔ معاشرہ کے اصلی مسائل اور حکومت کے ضعیف نقاط سے لوگوں کو غافل رکھنے اور صاحبان علم خصوصاً ایرانیوں کی نظر میں امامؑ کی منزلت گھٹانے کی یہ ایک سیاسی چال ہوسکتی ہے۔ مامون کا خیال تھا کہ جب امامؑ کچھ مسائل کے جواب سے عاجز رہ جائیں گے تو ان کا بنیادی دعویٰ لوگوں کی نظر میں غلط ثابت ہوجائے گا۔ لوگ اہلبیتؑ کو دوسرے علماء سے برتر سمجھتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کے پاس علم لدنی ہوتا ہے اور امامت کے لئے رسولؐ اللہ کے علوم ومعارف کا حامل ہونا بنیادی شرط ہے۔ اگر ایسے عمومی جلسے میں امامؑ شکست سے دوچار ہوگئے تو لوگوں

کی نظر میں ان کی قدر و منزلت گھٹ جائے گی جیسا کہ علم کلام کا مشہور عالم سلیمان مروزی جب مامون سے ملنے آیا تو اس نے سلیمان کی بڑی عزت کی۔ بہت سے تحفے پیش کئے اور کہا کہ پسر عم علی بن موسیٰ حجاز سے میرے پاس تشریف لائے ہیں۔ وہ علم کلام اور اس کے علماء کو دوست رکھتے ہیں اگر آپ چاہیں تو یوم ترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کو میرے پاس تشریف لائیں اور ان سے مناظرہ کریں۔ سلیمان نے جسے اپنے علم پر بڑا ناز تھا کہا کہ" امیر المومنین میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کی مجلس میں بنی ہاشم کی موجودگی میں، میں ان سے کوئی سوال کروں اور وہ جواب نہ دے سکیں تو پھر ان کی قدر و منزلت میں داغ لگ جائے گا مامون نے کہا کہ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ آپ ان کے لئے راستہ ہی بند کر دیں کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ علم اور مناظرہ میں بڑے قوی ہیں۔ ۱۸

اس احتمال کو تقویت پہونچانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ امامؑ کی شہادت سے پہلے تک مامون کا دربار مناظرہ کا اکھاڑہ تھا لیکن اس کے بعد پھر یہ علمی اور کلامی بحث اس دربار میں نظر نہیں آتی۔

امام رضاؑ کو مامون کا ارادہ معلوم تھا آپ فرماتے تھے کہ اہل تورات کا ان کی تورات سے، اہل انجیل کا ان کی انجیل سے اہل زبور کا ان کی کتاب سے ستارہ پرستوں کا ان کے عبرانی طریقہ سے، آتش پرستوں کا ان کے پارسی طریقہ سے، رومیوں کا ان کے انداز سے اور اہل بحث وجدل کا ان کی زبان میں استدلال کر کے جب میں انہیں تصدیق پر مجبور کر دوں گا تب مامون کو اپنی خطا کا احساس ہوگا اور اسے شرمندگی ہوگی۔ ۱۹ ان جلسوں میں امام رضاؑ کی بالادستی کا اظہار بھی ہوا اور بار بار منعقد ہونے والی ایسی نشستیں جب امامؑ کے حق میں مفید ثابت ہوئیں تب مامون کو احساس ہوا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں میں کیا درد سر مول لیا ہے۔

امام کے مناظرے

ابو الصلت کہتے ہیں کہ جب امامؑ نے لوگوں کے درمیان اپنی فضیلت ثابت کر دی اور آپ کی محبوبیت دن بدن بڑھتی گئی تو مامون نے بڑے نمایاں علمائے وقت مفکرین زمانہ، بڑے بڑے زندیقوں اور اصحاب جدل ومناظرہ کو ملک کے مختلف گوشوں سے بلایا تا کہ وہ امامؑ کو بحث ومباحثہ میں شکست دیدیں اور اس طرح صاحب علم کی نظر میں آپ کی منزلت کم ہوجائے اور لوگ بھی اسے محسوس کر لیں لیکن یہود و نصاریٰ، گبر و برہمن، منکر خدا اور مادیین سب کو امامؑ نے شکست فاش دیدی۔ ۲۰

یہ ایسے افراد تھے جو پیچیدہ غلط فہمیوں میں الجھا کر دلیل کے راستے بند کر دیتے تھے، نہایت خطرناک اور شک وشبہ میں مبتلا کر دینے والے افراد دلائل کو اپنی چال سے کمزور کر دیا کرتے تھےلیکن امام علیہ السلام اپنی عظیم علمی تو انائی کی بنا پر ان تمام نشستوں میں اپنے دشمنوں اور حریفوں پر غالب رہےلیکن آپ نے کبھی جدلی غلط فہمیوں سے کام نہیں لیا جیسا کہ بعض مناظرہ باز، مخالف کی دلیلوں کو توڑے اور قوت استدلال کو کمزور کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ آپ ہمیشہ پیغمبرانہ بیان، واضح روشن اور قابل اطمینان دلائل سے اثبات حق فرماتے تھے۔

اس طرح جو مناظرے، امامؑ کو دبانے اور مکتب اہل بیتؑ پر حملہ کے لئے منعقد کئے گئے تھے انہیں سے تقویت پہونچی اور امامؑ نے ایسی محفلوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ نتیجتاً دشمنوں کی چال ناکام رہی۔

جب ایسی نشستیں امامؑ کی شخصیت کو نقصان پہونچانے میں ناکام رہیں تو مامون نے آپ کے قتل کا ارادہ کرلیا۔

نصاریٰ کے بڑے عالم جاثلیق، یہودیوں کے عظیم دانشمند رأس الجالوت، صائبین کے روساء، دین وشریعت اور خداو پیغمبرؐ کے منکرین، زردشت کے بڑے بڑے علماء، ہندو مذہب کے صاحبان علم، رومی طبیب نسطاس اور دوسرے متکلمین سے مامون نے امام رضاؑ سے مناظرہ اور مباحثہ کرنے کی گزارش کی، یاسر خادم کو امامؑ کے پاس بھیجا اور اس طرح مناظرہ کی تاریخ کی اطلاع آپ کے پاس پہونچا دی اور یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ آپ اس میں شرکت فرمائیں۔

حسن بن نوفلی [۱۲] فرماتے ہیں کہ جب یاسر باہر چلا گیا اور وہاں میرے اور امامؑ کے سوا کوئی نہیں رہا تو امامؑ نے مجھ سے کہا: نوفلی! تم عراقی ہو اور عراقیوں میں ظرافت طبع اور نکتہ سنجی ہوتی ہے۔ میرے پسر عم نے مشرکین اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کا جو یہ اجتماع، مناظرہ کے لئے منعقد کیا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ نوفلی نے کہا کہ میری جان آپ پر فدا ہو وہ آپ کو آزمانا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ آپ کی قدر پہچانی جائےلیکن اس نے جو طریقہ اپنایا ہے اس کی بنیاد صحیح نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ اس کی بنیاد کیا ہے؟

نوفلی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اہل کلام وبدعت کا رویّہ علماء کے خلاف ہے۔ علماء، باطل

اور ناروا باتوں کا انکار کرتے ہیں لیکن مشرک اور اہل کلام و بدعت تمام چیزوں کا انکار کردیتے ہیں اور حیرت انگیز تہمتیں عائد کرتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے یہ استدلال پیش کیا جائے کہ خدا ایک ہے تو کہتے ہیں کہ اس کی توحید کے لئے صحیح دلیل پیش کیجئے! اور اگر یہ کہا جائے کہ محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں تو کہتے ہیں کہ اسے ثابت کیجئے! پھر تہمت اور افترا کے حربہ سے انسان کو شکست دیدیتے ہیں۔ جب انسان دلائل سے ان کی باتیں رد کردیتا ہے تو اسی وقت وہ اسے مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں پھر انسان مجبور ہوکر اپنی بات واپس لے لیتا ہے اس بنا پر آپ ان سے مناظرہ اور بحث نہ کریں۔

امامؑ نے مسکرا کر فرمایا نوفلی! کیا تمہیں اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ مجھے کمزور بنا دیں گے۔

نوفلی کہنے لگے کہ خدا کی قسم مجھے ایسا خطرہ ہرگز نہیں ہے بلکہ میں تو یہ امید کرتا ہوں کہ خدا آپ کو ان پر کامیاب کرے گا۔ امامؑ نے اس کے بعد فرمایا کہ اے نوفلی کیا تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ مامون کب پشیمان ہوگا؟

نوفلی نے کہا ''ہاں''

امامؑ نے فرمایا ''جب توریت والوں کے استدلال کو توریت سے، انجیل والوں کے استدلال کو انجیل سے، اہل زبور کو زبور سے، صائبین کو عبرانی زبان میں، رومیوں کو رومی زبان میں اور مختلف فرقے کے مختلف افراد کو ان کی زبان میں شکست دیکر فتح حاصل کرلوں گا اور وہ سب اپنے دعوے سے ہاتھ اٹھا لیں گے پھر میرے قول کی طرف رجوع کریں گے اس وقت مامون کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیا کہا اور اس کے بعد اسے پشیمانی ہوگی لَاحول و لاقوۃ الاّ باللّٰہ تمام عافیتیں خدا کی عطا کردہ ہیں۔

مامون نے بڑے بڑے علماء اور دانشمندوں کو امامؑ سے مقابلہ کے لئے جمع کیا تاکہ وہ اپنے مغالطہ اور جدل سے امام کے استدلال کو باطل کردیں لیکن امامؑ نے ان کے بیان کے تار و پود بکھیر دئے۔

جب اس نشست کا آغاز ہوا تو حضرت نے رئیس اسقف جاثلیق سے گفتگو کا آغاز کیا۔

عیسائی جاثلیق سے مناظرہ

مامون نے جاثلیق سے کہا کہ یہ میرے ابن عم پیغمبرؐ کی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد علی بن موسیٰ الرضاؑ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے گفتگو کریں

اور ان کے سامنے دلیلیں پیش کریں اور انصاف کریں۔ جاثلیق نے کہا کہ اے امیر المومنین میں اس سے کیسے بحث کروں جسے میں قبول ہی نہیں کرتا یہ تو پیغمبرؐ کے قول سے استناد کرتے ہیں اور میں پیغمبرؐ پر ایمان ہی نہیں رکھتا؟ امامؑ نے فرمایا اے نصرانی اگر میں انجیل سے دلیل پیش کروں تو تم مان لوگے؟ جاثلیق نے کہا کہ انجیل میں جو لکھا ہے کیا میں اسے رد کرنے کی طاقت رکھتا ہوں؟ امامؑ نے کہا ہاں تم ایسا کر سکتے ہو۔ جاثلیق نے جب اقرار کرلیا تو امامؑ نے فرمایا: اب تم سوال کرو۔

پہلی گفتگو توحید کے سلسلہ میں ہوئی جس میں عیسیٰؑ کی خدائی کے بطلان کی بحث پیش کی گئی۔ جاثلیق نے پوچھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت اور ان کی کتاب کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا آپ ان دونوں میں سے کسی کا انکار کرتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت، کتاب، امت کو دی ہوئی ان کی بشارت اور جن چیزوں کا حواریین نے اقرار کیا ہے ان کا میں معترف ہوں لیکن اس عیسیٰ کی نبوت اور کتاب کا انکار کرتا ہوں جس نے اپنی امت کو اس کی بشارت نہیں دی! اس بات پر جاثلیق نے دو عادل مگر غیر مسلم ایسے گواہ طلب کئے جن کی گواہی عیسائیت میں قابل قبول ہو۔

امامؑ نے فرمایا یوحنا دیلمی کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

جاثلیق نے کہا کہ بہت خوب! آپ نے اس شخص کا تذکرہ فرمایا جو مسیح کے نزدیک محبوب تھا۔

امامؑ نے فرمایا کہ کیا انجیل میں یہ موجود نہیں ہے کہ یوحنا نے کہا کہ مسیح نے مجھے دین محمدؐ عربی کا مژدہ سنایا ہے اور محمدؐ انکے بعد آنے والے ہیں اور میں نے بھی حواریین کو یہ خوشخبری سنائی۔ محمدؐ پر ایمان لایا اور میں نے انہیں قبول کیا۔

جاثلیق نے کہا کہ یوحنا نے عیسیٰ سے یہ بات نقل تو کی ہے مگر ان کا نام نہیں بتایا ہے اور نہ یہ معین کیا ہے کہ وہ کس زمانہ میں آئیں گے؟

امامؑ نے فرمایا کہ اگر میں ایسے شخص کو لے آؤں جو انجیل پڑھے اور اس میں محمدؐ اور ان کے اہل بیتؑ کے نام پڑھ کر سنادے تو کیا تم ایمان لاؤ گے۔ جاثلیق نے کہا ''جی ہاں''

حضرت نے نسطاس اور رأس الجالوت کو مخاطب کرکے کہا کہ ''تمہیں انجیل کا سفر سوم یاد ہے ۲۲''

انہوں نے جواب دیا ''ہاں''

حضرت نے سفر سوم کو پڑھنا شروع کیا اور جب اس مقام کی تلاوت کر لی جہاں رسولؐ خدا، اہل بیتؑ اور ان کی امت کا تذکرہ تھا تو فرمایا "اے نصرانی ! کیا تیری سمجھ میں بات آ گئی کہ میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں ؟ اس نے کہا " بے شک "

امامؑ نے فرمایا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ یہ عیسیٰ بن مریم کا قول ہے ؟ جاثلیق نے اقرار کیا تو امامؑ نے فرمایا " تم لوگ اس اقرار کے گواہ رہنا " پھر کہا " تم اپنا دوسرا سوال پوچھو"

جاثلیق نے سوال کیا کہ " عیسیٰ بن مریم کے حواریین اور علمائے انجیل کتنے ہیں؟ "

امامؑ نے فرمایا کہ حواریین کی تعداد بارہ ہے ان میں سب سے افضل " الوقا" ہیں لیکن علمائے نصاریٰ تین ہیں یوحنائے اکبر ساکن آج، یوحنا قرقیسا ،اور یوحنائے دیلمی رجاز والے، پیغمبرؐ اہلبیتؑ اور ان کی امت کا تذکرہ ان کے پاس موجود تھا اور انہوں نے امت عیسیٰ اور بنی اسرائیل کو آں حضرت کی بشارت دی تھی۔

پھر امامؑ نے فرمایا کہ اے نصرانی !خدا کی قسم میں اس عیسیٰ کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ پر ایمان رکھتے تھے لیکن تمہارے عیسیٰ پر،صرف ایک اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ وہ روزہ اور نماز کے بہت کم پابند تھے۔

جاثلیق چلّا اٹھا اس نے کہا " خدا کی قسم آپ نے اپنا سارا علم باطل کر دیا اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو کمزور بنالیا میں تو سمجھتا تھا کہ آپ مسلمانوں کے سب سے بڑے عالم ہیں ! عیسیٰ تو وہ ہیں جو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے پوری پوری رات عبادت کرتے تھے امامؑ نے پوچھا " وہ کس کے لئے نماز روزہ کرتے تھے ؟ " جاثلیق خاموش ہوگیا کیوں کہ اس نے حضرت عیسیٰ کی عبودیت کا اقرار کر لیا تھا جس کے بعد ان کی الوہیت کا دعویٰ غلط ہو جاتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ تم اس بات کا کیوں انکار کرتے ہو کہ عیسیٰ خدا کی اجازت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے؟ جاثلیق نے کہا کہ جو مردوں کو زندہ کرے، مادرزاد اندھے کو شفا دے، جذام جیسے مرض کو ٹھیک کر دے وہ خدا اور مستحق عبادت ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ یسع پیغمبر مردوں کو زندہ کرتے تھے ، مادرزاد اندھوں کو بینا کرتے تھے ، جذام کا علاج کرتے تھے، پانی پر چلا کرتے تھے لیکن انکی امت نے ان کو خدا نہیں کہا اور کسی نے ان کی پرستش نہیں کی، حزقیل پیغمبر بھی عیسیٰؑ والا کام کرتے تھے مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔

پھر رأس الجالوت کی طرف مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ کیا توریت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ بیت المقدس میں جنگ کرنے والوں کو بخت النصر نے اسیر کرکے بابل میں قتل کردیا، پھر اللہ نے حزقیل پیغمبر کو ان کی طرف مبعوث کیا۔ انہوں نے خدا کے حکم سے انہیں زندہ کیا۔ یہ بات توریت میں موجود ہے۔صرف کفار اس کا انکار کرتے ہیں۔ راس الجالوت نے کہا ہم کو اس سے انکار نہیں ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

پھر امامؑ نے اس سلسلہ میں توریت کی آیتیں پڑھیں پھر جاثلیق سے کہا اے نصرانی میں نے جو انکا تذکرہ کیا تو یہ عیسیٰ سے پہلے تھے یا ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں؟" اس نے کہا یہ سب حضرت عیسیٰ سے پہلے تھے۔"

امام رضاؑ نے فرمایا ہمارے پیغمبرؐ بھی اندھوں کو بینا کردیتے تھے دیوانگی اور جذام کے مریض کو شفاعطا کرتے تھے۔ حیوانات ، پرندے اور جن وشیاطین سے گفتگو کرتے تھےلیکن ہم نے تو ان کو خدانہیں مانا۔تم عیسیٰ کو خدا مانتے ہوتو پھر یسیع اورحزقیل کو خدا کیوں نہیں مانتے حالانکہ یہ دونوں بھی عیسیٰ کی طرح مردوں کو زندہ کرتے تھے؟ بنی اسرائیل کی ایک جماعت طاعون کے خوف سے اپنے شہروں سے نکل پڑی، اللہ نے ان سب کو ایک ساتھ ہلاک کردیا۔ اہل قریہ نے ان کے اردگرد دیوار بنادی۔ یہ لوگ بہت دنوں تک یوں ہی پڑے رہے یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوگئیں۔ ایک دن بنی اسرائیل کے کسی پیغمبرؐ کا ادھر سے گذر ہوا انہوں نے جب یہ منظر دیکھا تو انہیں بڑا تعجب ہوا خدا کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبرؐ کیا آپ ان کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں انہوں نے فرمایا۔ہاں۔ وحی آئی کہ آپ انہیں آواز دیں، پیغمبر نے آواز دی ۔بوسیدہ ہڈیو! تم اپنے پروردگار کے حکم سے اٹھ جاؤ ! اس آواز کو سنتے ہی سب سروں سے خاک جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے اطمینان قلب کے لئے خدا سے مردوں کو زندہ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے چار پرندوں کوٹکڑے ٹکڑے کرکے پہاڑوں پر بکھیر دیا پھر جب انہیں آواز دی تو وہ زندہ ہوکر ابراہیمؑ کے پاس آگئے۔

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر افراد پہاڑ پر گئے انہوں نے موسیٰؑ سے کہا کہ جب تک آپ خدا کو دکھانہ دیں گے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے[۲۳]۔ اتنے میں بجلی چمکی اور سب موت کی آغوش میں چلے گئے موسیٰ نے کہا پروردگارا! اگر میں تنہا چلا گیا تو میری قوم تصدیق نہیں کرے گی۔

لہذا مرنے کے بعد ان کو پھر سے زندہ کر دیا۔ ۲۴

اے جاثلیق میں نے یہ سارے قصے تیرے سامنے نقل کر دئے اور تو ان میں سے کسی ایک کا جواب نہیں دے سکتا کیوں کہ یہ سارے واقعات توریت انجیل اور قرآن میں موجود ہیں لہٰذا جو شخص مردوں کو زندہ کر دے، دیوانگی اور جذام کے مریض کو شفا دیدے، نابینا کو بینا بنا دے تو کیا اس کی عبادت کی جائے گی؟

اگر ایسا ہے تو پھر ان تمام پیغمبروں کو خدا مان لینا چاہئے۔

جاثلیق نے کہا آپ کی بات صحیح ہے۔ لاَالٰہ الاّ اللّٰہ۔ ۲۵

پھر اس کے بعد یہودی راس الجالوت کی طرف امامؑ نے رخ کیا اور پیغمبرؐ خاتم کی نبوت کے اثبات میں آسمانی کتابوں میں جو کچھ موجود تھا اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

امامؑ نے فرمایا اے یہودی! موسیٰؑ پر نازل ہونے والے دس معجزات پر توجہ کر، پیغمبر اور ان کی کرامت کی توصیف توریت میں اس طرح بیان ہوتی ہے جس زمانہ میں امت آخر، شتر سوار پیغمبرؐ کے پیروکار ظاہر ہوں گے اور پروردگار کی مسلسل تسبیح کریں گے ایک نئی تسبیح جو امت سابق میں نہیں پس قوم بنی اسرائیل ان کی طرف اور ان کے ہادی کی طرف پناہ تلاش کرے گی تا کہ ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ ان کے ہاتھوں میں تلوار ہوگی اور وہ اسی سے زمین کی گمراہ امتوں سے انتقام لیں گے۔

اے یہودی! کیا توریت میں یہ لکھا ہے؟ راس الجالوت نے کہا ''ہاں ایسا موجود ہے''

امامؑ نے دوسری بار جاثلیق نصرانی کی طرف رخ کیا اور اس سے پوچھا کہ کتاب اشعیا کے بارے میں تجھے کیا علم ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس کا ایک ایک حرف پہچانتا ہوں۔ امامؑ نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا اس میں یہ بات موجود ہے کہ ''اے میری قوم میں نے گدھے پر سوار ہونے والے سوار کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ نور کے لباس میں ملبوس تھا۔ میں نے اونٹ کے سوار کو دیکھا کہ جو چاند کی طرح منور اور روشن تھا۔'' ان دونوں نے کہا ہاں اشعیا میں ایسا ہی لکھا ہے۔

امام نے کہا کہ کیا تم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بات یاد ہے جب انہوں نے کہا کہ ''میں تمہارے اور اپنے پروردگار کی طرف چلا جاؤں گا فارقلیط ۲۶ (محمدؐ) آئیں گے، وہی وہ ہیں جو میرے لئے حق کی گواہی دیں گے جیسا کہ میں نے ان کے لئے گواہی دی ہے۔ وہ تمہارے لئے ہر

چیز کی تفسیر بیان کریں گے وہ کفر کا ستون توڑ دیں گے۔ جاثلیق نے ان تمام باتوں کی تصدیق کی ہے۔

پھر امامؑ نے ان کے سامنے یہ ثابت کیا یہ انجیل وہ نہیں ہے جو عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی، یہ وہ انجیل ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے شاگردوں کی لکھی ہوئی ہے۔ چاروں انجیلوں کے خالق وہی ہیں پھر ان کی تحریروں میں وقائع کے درمیان جو اختلاف ہے آپ نے سند کے طور پر انہیں پیش کیا اور فرمایا۔

اے جاثلیق! کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ انجیل گم ہوئی پھر ایک شخص کے پاس وہ ملی تو وہ کون ہے جس نے تمہیں انجیل دی ہے؟ جاثلیق نے کہا کہ انجیل گم نہیں ہوئی تھی، ایک دن یوحنّا اور متی نے اسے ہمارے سامنے پیش کیا حالانکہ اس میں کوئی تبدیل نہیں ہوئی تھی۔

امامؑ نے فرمایا کہ انجیل اور اس کے علماء کے بارے میں تمہاری معلومات کتنی کم ہے۔تم جیسا کہہ رہے ہو اگر ایسا ہی ہے تو تم نے اس میں کیوں اختلاف کر رکھا ہے۔آج جو انجیل تمہارے ہاتھوں میں ہے اس میں اختلاف موجود ہے۔اگر پہلے والی حالت پر باقی رہتی تو وہی انجیل ہوتی اس میں اختلاف نہ ہوتا۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب پہلی انجیل مفقود ہوگئی تو نصاریٰ اپنے علماء کے پاس پہونچے اور کہا کہ عیسیٰ بن مریم قتل کردئے گئے اور ہم نے انجیل گم کردی، آپ ہمارے علماء ہیں آپ کے پاس کیا ہے؟ ''الوقا'' اور ''مرقابوس'' نے کہا کہ انجیل ہمارے سینوں میں ہے ہم اسے باہر نکالیں گے اور پیش کریں گے تم غم نہ کرو۔گر جا گھروں کو اس سے خالی نہ رکھو،ہم تمہارے سامنے انجیل کی تلاوت کریں گے اور جس کے حق میں جو آیت نازل ہوئی ہے سفر، سفر کرکے اسے جمع کریں گے پھر الوقا، مرقابوس ،یوحنا اور متی نے انجیل گم ہوجانے کے بعد بیٹھ کر اسے جمع کیا۔ یہ چاروں افراد حضرت عیسیٰ کے شاگرد نہیں بلکہ ان کے شاگرد کے شاگرد تھے۔کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے؟ جاثلیق نے کہا کہ اس سے پہلے ہمیں یہ بات معلوم نہیں تھی۔

امامؑ نے فرمایا کہ تمہاری نظر میں مذکورہ افراد کی گواہی کیا اہمیت رکھتی ہے؟ جاثلیق نے کہا ان کی گواہی جائز اور قابل سماعت ہے کیوں کہ یہ علمائے انجیل ہیں۔جس بات کی گواہی دیں وہ حق ہے۔

امامؑ نے مامون اور حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا کہ ''آپ سب اس بات پر گواہ رہئیے'' سب حاضرین نے کہا کہ ہم گواہ ہیں۔

اس کے بعد آپ نے جاثلیق سے کہا ماں اور بیٹے کے حق کی قسم! تم عیسیٰ بن مریم کے

نسب کو جانتے ہو۔ متی نے کہا عیسیٰ، داؤد بن ابراہیم بن، اسحٰق بن یہود بن حضرون ہیں؟
مرقابوس نے کہا عیسیٰ کلمۂ خدا ہیں جو انسان کے جسم میں حلول کر کے انسان بن چکے ہیں۔
الوقا نے کہا ’’عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ گوشت پوست اور خون سے مرکب انسان تھے جن میں روح القدس داخل ہوگیا ہے۔

جاثلیق کی طرف مخاطب ہوکر امامؑ نے فرمایا عیسیٰ نے حواریین سے کہا تھا کہ اے حواریو! میں تم سے کہتا ہوں کہ بیشک میں آسمان پر صعود نہیں کرسکتا مگر وہ کہ جو آسمان سے نازل ہوا ہو مگر یہ راکب شتر خاتم الانبیاء آسمان تک جائیں گے اور پھر واپس آئیں گے (معراج کی طرف اشارہ) تم عیسیؑ کے اس قول کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

جاثلیق نے کہا کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ یہ عیسیؑ کا قول ہے حضرت نے فرمایا الوقا، مرقابوس اور متی نے جو حضرت عیسیؑ کی گواہی پیش کی اور انکی طرف جن باتوں کی نسبت دی اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

جاثلیق نے کہا کہ یہ حضرت عیسیؑ کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہیں! امامؑ نے حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا کہ کیا جاثلیق نے ان کی صفائی میں یہ نہیں کہا تھا کہ یہ علمائے انجیل ہیں اور ان کا قول حق ہے؟۲۸

جاثلیق تناقضات کا شکار ہوگیا ایک طرف تو اس نے ان کو مسیح پر الزام لگانے سے منزّہ اور مبرّہ بتایا تھا اور دوسری طرف اس نے اس بات کا عتراف کرلیا کہ یہ علماء حضرت عیسیٰؑ پر جھوٹا الزام لگارہے ہیں۔

جاثلیق نے کہا اے مسلمانوں کے عالم ہمیں معاف فرمادیں۔ امامؑ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا اب جو پوچھنا ہے پوچھ لے۔

جاثلیق نے کہا کہ اب میرے پاس کوئی سوال نہیں ہے۔ خدا کی قسم میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ مسلمانوں کے درمیان آپ جیسا کوئی مل جائے گا!

راس الجالوت یہودی کے ساتھ مناظرہ

امامؑ راس الجالوت کی طرف بڑھے اور فرمایا کہ ’’تم مجھ سے سوال کروگے یا میں تم سے سوال کروں؟ اس نے کہا کہ ’’میں سوال کروں گا اور توریت، انجیل یا حضرت داؤد کی زبور یا صحف

ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے علاوہ میں کوئی دلیل قبول نہیں کروں گا'' امامؑ نے کہا'' تمہاری بات ہمیں منظور ہے۔''

راس الجالوت نے کہا'' آپ محمدؐ کی نبوت کیسے ثابت کریں گے؟'' حضرت نے فرمایا، موسیٰ بن عمران، عیسیٰ بن مریم اور زمین پر خلیفہ حضرت داؤد نے ان کی نبوت کی گواہی دی ہے۔''

اس نے کہا کہ'' آپ موسیٰ بن عمران کی گواہی پیش کیجئے!''

امامؑ نے فرمایا اے یہودی کیا تمہیں بنی اسرائیل کی عیسیٰؑ سے کی ہوئی وصیت یاد ہے جب انہوں نے کہا کہ تمہارے بھائیوں میں سے بہت جلد ایک پیغمبر آنے والا ہے تم ان کی تصدیق کرنا اور انکی بات سننا'' تو کیا اولاد اسماعیل کے علاوہ بنی اسرائیل کے کوئی دوسرے بھائی بھی تھے؟ کیا تم یعقوب و اسماعیل کی قرابت اور ابراہیم کی طرف سے ان کی قرابت سے واقف ہو۔ راس الجالوت نے کہا ہاں یہ حضرت موسیٰ کا قول ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ کیا بنی اسرائیل کے بھائیوں میں محمدؐ کے علاوہ کوئی پیغمبر ہے؟

اس نے کہا کہ'' نہیں، کوئی اور بھائی تو نہیں ہے مگر آپ محمدؐ کی نبوت کو توریت سے ثابت کیجئے۔''

امامؑ نے فرمایا کیا توریت میں یہ نہیں ہے کہ'' بیت المقدس کی تخریب کے بعد ایک نئی کتاب ہمارے لئے ہے'' نئی کتاب سے مراد قرآن ہے کیا تمہیں یہ معلوم ہے۔ کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو؟ جواب میں راس الجالوت نے تصدیق کی۔

امامؑ نے فرمایا: داؤد نے زبور میں فرمایا'' میرے پروردگارا! فترت کے بعد سنت کو قائم کرنے والا مبعوث فرما!''

کیا محمدؐ کے علاوہ کوئی دوسرا پیغمبر تھا جس نے فترت کے بعد سنت (دین الٰہی) کو زندہ اور قائم کیا؟

راس الجالوت نے کہا یہ داؤدؑ کا قول ہے اور مجھے معلوم بھی ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا مگر اس سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں اور انہیں کا زمانہ فترت کے بعد کا زمانہ ہے۔

امامؑ نے فرمایا تم جاہل ہو تمہیں کچھ نہیں معلوم۔ حضرت عیسیٰ نے سنت تورات کی مخالفت نہیں کی وہ تو اس کے مطابق کام کرتے تھے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا اور انجیل میں لکھا ہے کہ ابن البرّہ جانیوالا ہے۔ نیک خاتون کا بیٹا چلا جائے گا اور انکے بعد فارقلیطا آئیں گے

وہ بارگراں کو کم کردیں گے۔ ہر چیز کی تفسیر بیان کریں گے اور اسی طرح میری گواہی دیں گے جس طرح میں نے ان کی گواہی دی ہے۔ میں نے تمہارے سامنے امثال بیان کئے ہیں۔ وہ تاویل بیان کریں گے۔

امامؑ نے پوچھا ''کیا تم ان باتوں کی تصدیق کرتے ہو'' راس الجالوت نے کہا ''ہاں'' ۲۹؎

حضرت نے فرمایا میں تم سے موسیٰ بن عمران کے بارے میں سوال کرتا ہوں، تمہارے پاس ان کی نبوت کی کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا کہ انہوں نے نبوت کے لئے معجزہ پیش کیا یہی ان کی دلیل تھی ایسی چیز کسی پیغمبر نے نہیں پیش کی۔

امامؑ نے فرمایا'' وہ معجزات کیا تھے؟''

کہنے لگا، دریا میں راستہ بنایا، عصا کا اژدہا بن جانا، پتھر سے چشمہ نکالنا، ید بیضا اور دوسری علامتیں ایسی تھیں کہ جن پر دوسرے افراد قدرت نہیں رکھتے۔۔۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا ہے حضرت موسیٰؑ اپنی نبوت کی دلیل میں وہ چیزیں پیش کررہے تھے جس پر دوسرے افراد قادر نہیں تھے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ مدعی نبوت وہ چیز دلیل کے طور پر پیش کرے جسے دوسرے افراد پیش کرنے سے قاصر ہوں تو تم پر اس کی تصدیق واجب ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے خدا سے جو قربت اور توانائی موسیٰؑ کو حاصل تھی اس کی نظیر نہیں ہے۔۔۔اور ہر ایک کے ادّعائے نبوت کی تصدیق ہم پر واجب نہیں ہے مگر یہ کہ وہ موسیٰؑ جیسا معجزہ پیش کرے۔

حضرت نے فرمایا کہ پھر تم نے موسیٰؑ سے پہلے آنے والے انبیاء کا اقرار کیسے کرلیا۔ انہوں نے تو دریا میں راستہ نہیں بنایا تھا پتھر سے بارہ چشمے جاری نہیں کئے تھے؟

راس الجالوت نے اپنی بات بدل دی اور کہا کہ ''میں نے یہ کہا ہے کہ جب خلق میں اس طرح کا معجزہ پیش کرنے کی طاقت نہ ہو اور وہ معجزہ پیش کرے چاہے موسیٰ وہ معجزہ لائے ہوں یا نہ لائے ہوں تو وہ نبی ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ بن مریم کی نبوت کے اقرار واعتراف سے پھر کیا مانع ہے۔انہوں نے مردوں کو زندہ کیا، مادر زاد نابینا کو بینا بنایا، کوڑھ سے متاثر انسان کو شفاعنایت کی، مٹی سے پرندہ بنا کر اسے پروردگار عالم کی اجازت سے زندہ کرکے ہوا میں اڑادیا؟

راس الجالوت نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ ایسے معجزات کے حامل تھے لیکن میں نے

ان کا مشاہدہ نہیں کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تم نے موسیٰؑ کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ کیا موسیٰ کے معتبر اصحاب کے کہنے پر تم نے ان معجزات کو نہیں مانا ہے۔؟

اس نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ عیسیٰ بھی اسی طرح ہیں اور متواتر خبروں میں یہ آیا ہے کہ انہوں نے ایسے بھی معجزے دکھائے ہیں پھر تم کس طرح موسیٰ کی تصدیق اور عیسیٰ کو رد کرتے ہو؟

اس کے بعد راس الجالوت کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

امامؑ نے فرمایا اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مسئلہ ہے۔ انہوں نے بھی معجزات پیش کیے اور خدا جس پیغمبر کو بھی مبعوث کرتا ہے اسے یہ توانائی عطا کر کے بھیجتا ہے۔ آنحضرت کا معجزہ قرآن ہے، حالانکہ آپ امّی تھے نہ تو کسی کے سامنے کبھی زانوئے ادب تہ کیا تھا اور نہ کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔

اس بات پر بھی راس الجالوت خاموش رہا۔ ۳۰؎

زردشتی عالم سے مناظرہ

اس کے بعد پھر زردشتیوں کے سب سے بڑے عالم (ہیربداکبر) سے مناظرہ کی باری آئی۔ امامؑ نے اس سے زردشت کی پیغمبری کی دلیل طلب کی، زردشتی عالم نے کہا کہ زردشت جو لائے تھے ان سے پہلے کوئی نہیں لایا اور ان سے جو خارق عادات امور ظاہر ہوئے۔ وہ کسی سے نہیں ہوئے ہم نے تو انہیں نہیں دیکھا لیکن ماضی سے جو روایت ہم تک پہونچی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو چیزیں دوسروں پر حرام تھیں وہ انہوں نے ہم پر حلال کر دیں اسی وجہ سے ہم ان کی پیروی کرتے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا کہ ”کیا اس کے علاوہ بھی کچھ باتیں تم تک پہونچی ہیں اور تم نے ان کی متابعت کی ہے؟“

اس نے کہا ”ہاں“

امامؑ نے فرمایا کہ دوسری امتوں کا مسئلہ بھی یہی ہے۔ موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ جو معجزات لائے تھے ان تک بھی وہ روایتیں پہونچی ہیں اور وہ بھی اس پر ایمان لائے ہیں، ان پیغمبروں پر تمہارے ایمان نہ لانے کی وجہ کیا ہے؟ تم کہتے ہو کہ زرتشت کے بارے میں پہونچنے والی روایتوں کی بنیاد پر

تم ان پر ایمان لائے اور تم نے یہ عقیدہ رکھا کہ ان کے جیسا معجزہ کوئی نہیں لایا۔ ا۳ ؎"

اس سوال پر زردشتی عالم چپ ہوگیا۔

مختلف ادیان اور فرقوں کے رؤساء اور سربرآوردہ افراد سے مناظرہ کے بعد امامؑ نے حاضرین جلسہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہو، کوئی سوال ہوتو بیان کرو لیکن وہ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔

عمران صابی کے ساتھ مناظرہ

اپنے زمانہ کا بہت بڑا متکلم عمران صابی ۳۲ ؎ اتنے میں سوال کرنے کے لئے سامنے آگیا اور اس نے وجود خدا کے اثبات کا سوال کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ خود سوال کا موقع نہ دیتے تو میں سوال نہ کرتا۔ میں کوفہ، بصرہ، شام اور جزیرہ میں ہر جگہ جاچکا ہوں ۔ میں نے مختلف علماء سے عقائد پر بحث کی ہے لیکن ابھی تک کوئی بھی شخص میرے سامنے خدا کی وحدانیت ثابت نہیں کرسکا۔ حاضرین میں سے بہت سے افراد نے اس بات کی گواہی دی کہ یہ جو کہہ رہا ہے وہ سچ ہے۔ امامؑ اور عمران صابی کے درمیان گفتگو میں توحید کے بڑے باریک اور پیچیدہ مسائل سامنے آئے۔ امامؑ نے ابتدا میں عمران صابی سے کہہ دیا تھا کہ تم ہر سوال کرسکتے ہو لیکن بحث میں عدالت سے کام لینا، ناروا الفاظ کے استعمال اور اصول سے انحراف سے پرہیز کرنا۔

امامؑ کے مناظروں میں یہ بڑا پیچیدہ اور مشکل مناظرہ ہے۔ اس کے سوالات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی حیثیت علمی تھی ورنہ اتنے مشکل سوالات اس کے ذہن میں نہ آتے۔

عمران صابی نے کہا کہ "مجھے کائن اور ثابت اوّل کے بارے میں بتایئے نیز اس نے جو خلق کیا ہے اسے بھی بیان کیجئے"

حضرت نے فرمایا خدا تو ہمیشہ سے یکتا اور یگانہ تھا وہ ہمیشہ سے ہے نہ اس کے ساتھ کوئی چیز تھی، نہ ہے۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اسے غیر سے جدا کرکے اس کی ذات کو نمایاں کرتی لہٰذا اس کے لئے کوئی حد نہیں ہے یعنی یہ تعقّل نہیں ہوسکتا کہ کوئی چیز اس پر عارض ہو۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے اس کے بعد اس نے نئی مخلوقات کو پیدا کیا جو عوارض اور حدود کے اعتبار سے مختلف اور متفاوت تھے۔ ہر ایک مخلوق مخصوص شکل، مختلف رنگ اور خاص قسم کی حامل تھی۔ خدا نے کسی چیز میں اقامت کرکے کسی کو وجود نہیں بخشا۔ نہ ان کو کسی چیز میں محدود، مشخص اور معین کیا اور نہ کہیں

سے کوئی نمونہ لیکر اس جیسی کوئی چیز اس نے خلق کی یعنی اس نے جو کچھ بنایا وہ خود بنایا۔ اس میں کسی شئے کا دخل نہیں تھا۔

ان جملوں میں خدا کی وحدانیت مطلقہ ملحوظ ہے کیوں کہ یہ اس کی ذاتی صفت ہے جو کسی طرح قابل تغیّر نہیں ہے۔کوئی اس کی وحدت مطلقہ کو عددی واحد میں تبدیل نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد امامؑ نے مخلوقات کی ابتدائی تخلیق (ابداع) کا تذکرہ کیا ہے کہ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ عدم، اشیاء کے لئے مادہ ہے یا عدم، اشیاء کے وجود کا ظرف ہے بلکہ فضائے تاریک میں نور کے روشن ہونے کی طرح ہے تخلیق (ابداع) کی ابتدا ہوئی۔ یعنی سابق میں کسی طرح کی کوئی ہستی نہیں تھی۔ نہ اصطلاحی ھیولا کے معنی میں نہ قوت واستعداد کے معنی میں اور نہ کسی دوسرے معنی میں مادہ کا وجود تھا۔ امامؑ کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عام خلقت ایک شخصی حقیقت ہے جو کائنات سے مرکب ہے۔ یہ کسی سابق عالم کی دوبارہ تشکیل ہے اور نہ تو پہلے سے موجود کسی نمونہ کی بناپر ایجاد ہوا ہے اور نہ کسی موضوع ظرف اور جگہ میں عالم کو بنایا گیا ہے۔

امامؑ نے اس کے بعد فرمایا کہ ’’خلقت کے بعد مختلف اقسام کی مخلوق پیدا ہوئیں۔ بعض کی تخلیق اچھی، بعض کی بری، بعض مختلف، بعض متفق، الگ الگ رنگ میں مختلف قوت ادراک اور خالص لذت کی حامل چیزیں سامنے آئیں۔ ان مختلف چیزوں کو پیدا کرنے کے لئے خدا محتاج نہ تھا، نہ اس کی منزلت میں ان کے توسط سے کوئی اضافہ ہوا نہ اس کے سبب سے اس میں کوئی زیادتی یا کمی واقع ہوئی۔

’’خدا نے خلقت کے وسیلہ سے کوئی تبدیلی نہیں کی اور دنیا کی تخلیق کسی احتیاج کی بناپر نہیں ہوئی‘‘ اس بحث واحتجاج میں مذکورہ بالا مطلب کو بڑے شدومدّ سے بیان کیا گیا ہے۔

امامؑ کچھ سوالات کے جوابات دینے کے بعد پوچھتے تھے کہ اے عمران کیا تم سمجھ گئے؟ اور جب وہ سمجھ لینے کا اقرار کرلیتا تو پھر دوسرا جواب مرحمت فرماتے۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا اے عمران! اگر کسی احتیاج اور ضرورت کی بناپر حق تعالیٰ ان مخلوقات کو پیدا کرتا تو پھر اسے پیدا کر کے اس کی ضرورتیں پوری کردیتا پھر وہ ان مخلوقات سے کئی گنا زیادہ معاون مخلوقات پیدا کرتا کیوں کہ مددگاروں کی تعداد جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی قوت وتوانائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اے عمران مخلوقات اس کی حاجتیں پوری نہیں کرسکتیں کیوں کہ اللہ ہر زمانہ میں

مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور ان میں احتیاج بھی پیدا ہوتی رہتی ہے کیوں کہ بے احتیاج مخلوق کا وجود محال ہے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اس نے مخلوقات کو اپنی احتیاج کی بنا پر نہیں پیدا کیا لیکن اس نے بعض کو بعض کا محتاج بنایا ہے اور بعض کو بعض پر فضیلت اور خصوصیت عطا کی ہے۔ جسے اس نے فضیلت دی ہے اس سے کوئی احتیاج وابستہ نہیں اور جسے پستی عطا کی ہے اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے اس طرح اس نے موجودات کو خلق کیا ہے۔

یعنی خدا اگر اپنی احتیاج رفع کرنے کے لئے مخلوق پیدا کرتا تو ایسی چیزیں پیدا کرتا جو اس کے لئے مناسب ہوتیں حالانکہ یہ مخلوقات مکمل طور پر خدا کی محتاج ہیں لہٰذا وہ خدا کے وجود، اس کی صفات اقدس اور ارادہ میں کسی طرح بھی مداخلت نہیں کرتیں۔

اگر مخلوق خالق کی احتیاجات دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہوتی تو وہ اپنی احتیاجات پر احتیاج کا اضافہ کرتا چلا جاتا پھر اس طرح ہر موجود پر موجودات کا اضافہ ہوتا او اس طرح لامحدود سلسلہ قائم ہوجاتا۔

عمران نے سوال کیا کہ کیا کائن (واجب الوجود) کو اپنے وجود کا علم ہے؟ امامؑ نے فرمایا کسی چیز کا علم اس کے خلاف کی نفی کا سبب ہوتا ہے جو کہ جہل ہے یہاں تک کہ اس کی نفی سے علم کا اثبات ہو لیکن خدا کے عالم ہونے کے سلسلہ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو اس کے علم کی مخالف ہو، تا کہ اس کی نفی کی جائے۔

عمران نے پوچھا کہ خدا نے کس ذریعہ سے اپنے علم کو جانا، ضمیر ۳۳ اور صورت ذہنیہ کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے؟

امامؑ نے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر خدا کا علم ضمیر کے وسیلہ سے ہوگا تو یہ ضمیر محدود ہوگا یہ معرفت بھی اسی محدودیت میں ختم ہوجائے گی،

عمران نے کہا کہ ''ہاں ایسا ہی ہے''

امامؑ نے فرمایا، پھر ضمیر کیا ہے''

اس سوال پر عمران چپ ہوگیا

امامؑ نے فرمایا کہ میں اس ضمیر کے بارے میں تم سے سوال کرتا ہوں۔ کیا تم اسے دوسرے ضمیر کے وسیلہ سے پہچانتے ہو؟ اگر تم کہتے کہ ''ہاں'' تو تمہارا یہ دعویٰ باطل ہے۔ اے عمران! خدا

ضمیر سے متصف نہیں ہے اور اس کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ کسی کام یا عمل یا مخلوق کو اس کی طرف منسوب کیا جائے اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ دوسری مخلوقات کی طرح اجزا کی دگر گونی تبدیلی کا رہین منت ہے۔

عمران نے سوال کیا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے ساکت تھا اور کچھ کہتا نہ تھا؟

امامؑ نے فرمایا کہ سکوت تو جب ہوگا جب اس سے پہلے نطق و بیان موجود ہو مثلاً چراغ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ساکت ہے اور کچھ نہیں کہتا اور اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ چراغ جب چاہتا ہے ہمیں روشنی عطا کرتا ہے کیوں کہ روشنی چراغ کا فعل و عمل نہیں ہے اور اس نے روشنی پیدا نہیں کی ہے اور اس سے جدا بھی نہیں ہے لیکن جب ہمیں روشنی ملتی ہے تو ہم یہی کہتے ہیں کہ ''چراغ نے ہمیں روشنی دی اور ہم نے اس سے پر تو حاصل کیا'' اے عمران ! کیا اس توضیح کے ذریعہ مطلب واضح ہوجاتا ہے؟

امامؑ کا جواب بہت اچھا اور واضح ہے آپ فرماتے ہیں کہ سکوت وہاں لازم آتا ہے جہاں گفتار کا ملکہ اور بات کرنے کی استعداد ہو لیکن چونکہ خدا انسان کی طرح نہیں ہے کہ جس میں عام وسائل کے ذریعہ گفتگو کا ملکہ پایا جاتا ہے اس وجہ سے اس ذات اقدس کی طرف سکوت کی نسبت بھی ممکن نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جائے کہ سکوت نطق عدم وملکہ کے متقابل الفاظ ہیں۔

عمران نے کہا کہ ہمیں تو بس اتنا معلوم ہے کہ واجب الوجود نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو اس میں تبدیلی پیدا ہوئی۔

امامؑ نے فرمایا اے عمران ! تم نے محال شئے کا ذکر کیا۔ واجب الوجود میں کسی رخ سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی جو اس کی ذات میں دگر گونی پیدا ہونے کا سبب بن جائے۔ اے عمران! کیا تم نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ آگ کا تغیر اس کی ذات میں تغیر کا سبب ہو یا وہ اپنی حرارت کو جلا ڈالے۔ کیا دیکھنے والا اپنی آنکھ کو بھی دیکھتا ہے؟

عمران نے کہا کہ میں نے ایسا تو کبھی نہیں دیکھا اب آپ ہمیں بتائیے کہ کیا خدا اپنی مخلوقات میں ہے یا مخلوقات خدا میں ہیں؟

امامؑ نے فرمایا کہ تم جو کہہ رہے ہو خدا اس سے برتر وبالا ہے۔ خدا نہ تو مخلوقات میں ہے اور نہ مخلوقات خدا میں ہیں وہ ایسی باتوں سے منزہ ہے۔ میں تمہیں خدا کی معرفت کا طریقہ بتاؤں گا لاحول و لاقوۃ الّا باللہ تم مجھے بتاؤ کہ کیا تم آئینہ میں ہو یا آئینہ تم میں ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے میں نہیں ہے تو پھر تم اپنے آپ کو آئینہ میں کیسے دیکھتے ہو۔

عمران نے کہا کہ ہم اس پرتو کی بنا پر اپنے آپ کو دیکھتے ہیں جو ہمارے اور آئینہ کے درمیان ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ ''اپنی آنکھوں میں جو پرتو دیکھتے ہو کیا آئینہ میں اس سے زیادہ پرتو ہے؟''

عمران نے کہا ''ہاں''

امامؑ نے کہا کہ ''اسے ثابت کرو''

عمران لاجواب رہ گیا۔

امامؑ نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ روشنی نہ تو آئینہ ہے اور نہ تمہارے اندر ہے بلکہ یہ کوئی دوسری چیز ہے جو تمہیں ایک دوسرے سے مربوط کررہی ہے۔ اس مطلب کو بیان کرنے کے لئے بہت ساری مثالیں ہیں جن کے بعد نادانوں کے لئے لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی واللہ المثل الاعلی (اور خدا کے لئے برتر مثالیں ہیں)

اس کے بعد حضرت نے مامون سے کہا کہ نماز کا وقت آگیا ہے۔ عمران نے کہا کہ آپ اس سلسلہ کو منقطع نہ کریں۔ میرا دل بہت نازک ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ نماز کے بعد ہم اس مسئلہ کو پھر بیان کریں گے۔

نماز کے بعد امامؑ نے عمران سے کہا کہ اپنے سوالات پیش کرو!

عمران نے کہا کہ خدا اپنی حقیقت سے پہچانا جائے گا یا اپنے صفات سے؟ امام رضاؑ نے فرمایا وہ نورِ آغاز گر، یکتا ہے وہ اول ہستی اور یگانہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ہے وہ ایک دوسرا نہیں ہے۔ وہ نہ معلوم ہے نہ مجہول، نہ محکم ہے نہ متشابہ، نہ یاد میں ہے نہ یاد سے نکل گیا ہے خداوند عالم کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کے علاوہ جس پر کسی چیز کا نام منطبق ہو۔ وہ آغاز گر اور قائم بالذات ہے۔ وہ دوسروں سے بے نیاز نور ہے۔ وہ نہ کسی زمانہ سے تھا تاکہ دوسرے

''زمانہ'' تک رہے، نہ کسی چیز پر قائم ہے نہ کسی چیز میں پوشیدہ ، نہ کسی چیز پر ساکن۔ چونکہ بیان کرنے والے کے ذہن میں ایک بات آتی ہے اور وہ نور یا اس جیسی کسی چیز یا ڈھانچہ اور سایہ وغیرہ کے عنوان سے اسے درک کرتا ہے حالانکہ اس کے علاوہ کوئی شئے اس حال پر نہیں تھی اور وہ آج بھی ویسا ہی ہے۔ لہٰذا یہ سب ایجاد شدہ صفات اور گمان کرنے والوں کی ترجمانی کے ذرائع ہیں تاکہ وہ سمجھ سکے۔

امامؑ نے ان جملوں میں کمال مطلق الٰہی کے بڑے اہم مطالب بیان کئے ہیں جو کچھ اس طرح ہیں۔

۱۔وحدت حقہ الٰہی، وہ ابدی وسرمدی ہے

۲۔وہ خلقت کائنات سے پہلے نہ معلوم تھا نہ مجہول، یہ قضیہ مکمل بدیہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ چونکہ کوئی تھا ہی نہیں اس بنا پر وہ موجود اعلیٰ نہ تو کسی کی یادداشت میں تھا نہ بھلایا ہوا تھا۔

۳۔اسمائے مقدس الٰہی کے علاوہ اس کی ذات اقدس کا کوئی نام نہ تھا۔

۴۔خدا زمانہ سے بالاتر ہے۔

۵۔خدا کا ذاتی مطلق وجود اور اس کی ذاتی بے نیازی تمام وابستگیوں سے مافوق ہے۔

۶۔ امامؑ نے فرمایا کہ جو مطالب ہم نے بیان کئے ہیں وہ ماقبل خلقت سے متعلق ہیں لہٰذا یہ خود کی افعالی صفات مثلاً زندہ کرنا، مارنا، روزی دینا وغیرہ کو شامل نہیں ہیں۔

۷۔ابداع، مشیت اور ارادہ کے ایک ہی معنیٰ ہے اور یہ تینوں معنی خدا کا ایک فعل ہے۔

۸۔ ابداع، ارادہ اور مشیت حروف تھے اور حروف وسیلہ ہیں یہ معانی اور مقاصد سمجھانے کے لئے خلق ہوئے۔ ۳۴؎

اے عمران کیا تم سمجھ گئے؟ عمران نے کہا ''جی ہاں''

امام رضاؑ نے فرمایا ابداع، مشیت اور ارادہ تین الفاظ ہیں مگر ان کے معنی ایک ہیں اور حقیقت بھی ایک، اس کے پہلے ابداع، ارادہ اور مشیت حروف تھے جسے اس نے ہر چیز کی بنیاد اور مشکل حل قرار دیا اور اپنے خیال میں اس نے متناہی و وجودی معنی کے علاوہ کوئی معنی نہیں رکھا کیوں کہ وہ خیال اور ابداع کی وجہ سے سمجھے گئے اور خدا پہلے سے موجود تھا کیوں کہ خدا سے پہلے اور اس

کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی اور حروف سے پہلے ابداع تھا اور حروف تو ابداع کے ساتھ معرض وجود میں آئے اور خدا سے پہلے کوئی راستہ نہ تھا اور ابداع اس کی ذات سے الگ ہے۔ ہر چیز کی صفت، موصوف سے الگ ہوتی ہے اور ہر چیز کی حد، محدود سے جدا ہوتی ہے اسی وجہ سے حروف الگ الگ ہیں جو اپنے آپ پر قائم ہیں اور وہ غیر پر دلالت نہیں کرتے لہٰذا جب ہم انہیں آپس میں ملاتے ہیں اور حروف کو دوسرے حروف کے ساتھ رکھتے ہیں تو وہ اپنے غیر پر جونام اور صفات ہیں، دلالت کرتے ہیں۔اور سبھی سمجھ لو کہ صفت بغیر موصوف کے، اسم بغیر معنی کے اور حد بغیر محدود کے نہیں ہوسکتی اور تمام نام اور صفات، کمال اور وجود پر دلالت کرتے ہیں، احاطہ پر دلالت نہیں کرتے جس طرح کہ چار زاویے والی باتیں زاویے والی چیز یا دائرہ ہے، کیوں کہ خدا کی معرفت اسماء اور صفات کے ذریعہ ہوسکتی ہے محدود کرنے والے مفاہیم مثلاً طول وعرض، کمی وزیادتی، رنگ ووزن جیسی چیزوں سے اس کی معرفت ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے سلسلہ میں کوئی چیز ان حدود میں واقع نہیں ہوتی تا کہ اس کی مخلوقات جس طرح اپنے آپ کو پہچانتی ہیں اسی طرح اسے ان حدود کے ساتھ پہچانیں اور اگر خدا کے صفات اس پر دلالت نہیں کرتے اور اس کے اسماء اس ذات پر نہ بولے جاتے تو صرف اسماء اور صفات کے ذریعہ بغیر معنی کے خالق کی عبادت ہوتی اور اگر ایسا ہوتا تو خدا کے علاوہ کوئی اور معبود یکتا ہوتا کیوں کہ ایسی صورت میں اس کے صفات اس سے جدا ہوتے یعنی خدا کی شناخت صفات حق کے ذریعہ ممکن ہے یعنی ہم انسان صفات اسماء اور آیات ہستی کے ذریعہ اپنی دماغی اور نفسیاتی قدرت وظرفیت کے بقدر خدا کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم سمجھ گئے؟ عمران نے کہا ''جی ہاں میں سمجھ گیا!''

عمران نے سوال کیا کہ آپ یہ بتائیں کہ ابداع مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

امامؑ رضا نے فرمایا مخلوق ساکن ہے اور اس کا ادراک سکون کے ذریعہ نہیں ہوتا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ ایجاد شدہ کی وجہ سے مخلوق ہے اور خداوند عالم نے اسے وجود عطا کیا لہٰذا جب اسے چیز کہا جائے گا تو اس کا شمار مخلوق میں ہوگا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ خدا ہے اور اس کی مخلوق ہے اور ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔مخلوق کبھی ساکن اور کبھی متحرک کبھی اس کی آمدورفت ہے کبھی ایک ساتھ ہے کبھی معلوم یا متشابہ ہے اور جس چیز کی حد ہو وہی خدا کی مخلوق ہے۔

عمران نے عرض کیا کہ ''کیا خدائے حکیم کا کوئی شئے احاطہ کرسکتی ہے یا وہ کسی چیز کا محتاج

ہوسکتا ہے؟''

امامؑ نے فرمایا کہ خوب توجہ سے میری بات سنو اگر حق تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی احتیاج کی بناپر پیدا کیا ہوتا تو کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ خدا اپنے مورد نیاز مخلوق کے سبب متغیر ہوگیا لیکن خدا نے احتیاج یا ضرورت کی بناپر کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے، نہ تو کسی چیز پر تھا نہ کسی چیز پر اس نے تکیہ کیا کیونکہ یہ صرف مخلوقات ہیں جن میں سے بعض بعض کی محافظت کرتی ہیں اور ان میں سے بعض بعض میں داخل ہوتی ہیں اور بعض دوسرے سے خارج ہوجاتی ہیں لیکن خدا اپنی قدرت سے تمام مخلوقات کا محافظ ہے وہ کسی چیز میں نہ تو داخل ہوتا اور نہ کسی چیز سے باہر نکلتا ہے، شئے اپنی حفاظت کے سبب اسے ناتواں نہیں بناتی، وہ اس کے تحفظ سے ناتواں اور عاجز نہیں ہوتا، مخلوق میں کسی کے اندر خدا جیسی طاقت نہیں ہے مگر یہ کہ خدا نے اپنے پیغمبرؐ اور اہل سِرّ میں سے کسی کو مطلع کیا ہو اور وہ اس کے امر کے محافظ ونگہبان ہوں۔ اس کی شریعت پر قائم ہوں اور اللہ تعالیٰ کا امر چشم زدن میں یا اس سے بھی کم میں پورا ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو لفظ ''کن'' کہتا ہے اور وہ شئے اسکی مشیت اور ارادہ سے معرض وجود میں آجاتی ہے۔ اس کی مخلوقات میں کوئی شئے ایک دوسرے کی بہ نسبت اس سے نزدیک یا دور نہیں ہے۔'' کیا تم نے میری بات سمجھ لی؟ !''۔

عمران نے عرض کیا'' آقا میں آپ کی بات سمجھ گیا۔ اس کے بعد اس نے کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا اور قبلہ روسجدہ میں جھک کرا سلام لایا۔۳۵

اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

۱۔ اگر خدا نے مخلوقات کو اپنی ضرورت کے لئے پیدا کیا ہوتا تو اس کا یہ نتیجہ یہ برآمد ہوتا کہ جو مخلوق خدا کی ضرورت پوری کرتی وہ اس میں تغیر پیدا کردیتی پھر وہی ہوتا جس کا مطالبہ کیا جاتا۔

۲۔ خداوند عالم کا وجود ثابت ہے اور یہ ثبوت ''لم یزل ولا یزال'' ہے

۳۔ ایک دوسرے کا تحفظ خدا کے علاوہ دوسری مخلوقات کے خواص میں یعنی خدا کو تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ خدا کسی چیز میں نہ تو داخل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز سے خارج ہوتا ہے بلکہ وہ ہر طرح کی تبدیلی و اورحرکت سے مافوق ہے یہ تو مادہ اور مادیات کے خواص ہیں۔

۵۔ موجودات کے تحفظ کے سلسلہ میں خدا کے لئے کوئی شئے مانع نہیں ہے۔

۶۔موجودات سے خدا کا رتباط اور تصرف ، امساک اور تحفظ کی کیفیت کی حقیقت کوئی مخلوق نہیں جانتی فقط خدائے عزوجل ہے جو عالم مطلق ہستی ہے ۳۶

امام علیہ السلام نے عمران صابی کی تشکیک کا اس طرح ازالہ کیا کہ اس کے تمام شکوک دور ہوگئے اور وہ غیر معمولی طور پر حیرت زدہ ہوگیا۔ پیچیدہ مسائل کے چہرہ سے ابہام کا پردہ اٹھادیا چنانچہ اس کے ذہن ودماغ میں جو چیزیں خواب وخیال تھیں وہ حقیقت بن کر اس کی نگاہوں کے سامنے آگئیں۔ امامؑ نے دلیل وحجت قائم کرنے سے پہلے سادہ اور قابل فہم ایسی مثالوں کے ذریعہ اس کے سامنے بات پیش کی جومحسوس کرنے کے قابل ہوں تاکہ مطلب کی پیچیدگی دور ہونے اور بات واضح ہونے کے بعد مخالف کے لئے شک اور تردید کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔آپ کا طریقہ معجزہ آسا اور دل آویز ہے۔

حسن بن نوفلی کہتے ہیں کہ جب متکلمین نے عمران جیسے جدل وبحث کرنے والے اور سب پر سبقت لے جانے سخنور کی حالت دیکھ لی تو اس کے بعد دوسرے مذاہب کے علماء اور ارباب اقوال پھر امامؑ کے پاس نہیں آئے اور نہ آپ سے کسی نے سوال کیا۔

رات کو مامون اور حضرت امام رضاؑ سب گھر چلے گئے اور لوگ بھی متفرق ہوگئے۔ میں بھی اصحاب کی ایک جماعت میں تھا کہ ناگاہ امام رضاؑ کے چچا محمد بن جعفرؑ نے مجھے بلایا۔ جب میں ان کے پاس پہونچا تو انہوں نے کہا کہ اے نوفلی! تم نے اپنے دوست کی گفتگو پر غوروفکر کیا؟ میں نے علی بن موسیٰ الرضاؑ کے بارے میں کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا اور انہوں نے آج جو مطالب بیان کئے وہ میں نے ابھی تک نہیں سنے تھے، مدینہ میں اصحاب علم کلام آپ کے پاس جمع ہوتے تھے لیکن میں نے آج تک وہاں ایسی باتیں نہیں سنیں۔ میں نے کہا کہ وہاں حجاج کرام آتے تھے اور حرام وحلال کے مسائل دریافت کرتے تھے آپ ان کے سوالوں کا بھی جواب دیا کرتے تھے۔کبھی کبھی لوگ آپ کے سامنے احتجاج بھی کرتے تھے۔ محمد بن جعفرؑ نے کہا کہ اے ابومحمدؑ! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ شخص مامون حسد کی وجہ سے انہیں زہر نہ دیدے یا کسی مصیبت میں مبتلا نہ کردے۔تم ان سے اشارہ میں یہ بات بتادینا کہ وہ ایسی باتوں سے پرہیز کیا کریں۔ میں نے کہا کہ وہ میری بات قبول نہیں کریں گے۔ مامون شاید ان کا امتحان لیکریہ معلوم کرنا چاہتاہو کہ ان کے پاس بھی ان کے آباء واجداد کا جیسا علم ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ تم ان سے کہنا کہ ان کے چچا

ایسی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں اور چند مصالح کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ آپ ایسی باتیں نہ کریں۔

نوفلی کہتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ سے ان کے چچا کی ساری باتیں بیان کردیں۔ امامؑ نے مسکرا کر فرمایا خدا ہمارے چچا کی حفاظت کرے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ایسی باتیں ناپسند کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اے نوفلی ! تم عمران صابی کو میرے پاس بلالاؤ۔ میں نے کہا کہ وہ ہمارے کسی شیعہ بھائی کے یہاں اس وقت مہمان ہیں آپ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں تم یہ سواری لے جاؤ اور انہیں لے آؤ۔ جب میں انہیں لیکر حاضر ہوا تو امامؑ نے عمران کو خوش آمدید کہا اور ایک خلعت، ایک مرکب اور دس ہزار درہم عنایت فرمائے۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو اپنے جد امیر المومنینؑ کا عمل دہرایا، امامؑ نے فرمایا ہمیں یہ بات پسند ہے۔

پھر امامؑ نے کھانا لگایا دسترخوان پر مجھے اپنی داہنی جانب اور عمران کو بائیں جانب بٹھایا جب ہم کھانے سے فارغ ہوگئے تو امامؑ نے عمران سے کہا خدا تمہاری مدد کرے۔ تم صبح میرے پاس آنا میں تمہیں مدینہ کا کھانا کھلاؤں گا۔ اس کے بعد عمران کی حالت یہ ہوگئی کہ مختلف مذاہب کے متکلمین ان سے بحث کرنے آتے تھے لیکن جب وہ ان کے خیالات پر تنقید کرتے تو کسی میں ان سے بحث کی جرأت نہ ہوتی۔ مامون نے عمران کو دس ہزار درہم دیا۔ فضل نے بھی کچھ مال اور سواری عطا کی امامؑ رضا نے اسے بلخ ۳۷ کے اوقاف کا متولی بنا دیا پھر اسے بہت مال حاصل ہوا۔ ۳۸

سلیمان بن مروزی کے ساتھ مناظرہ

مامون نے خراسان کے ایک بہت بڑے متکلم سلیمان مروزی سے امامؑ کو ایک جلسہ میں مناظرہ کی دعوت دی۔ اس نشست میں بداء کے مشہور موضوع پر گفتگو کا آغاز ہوا۔

ہم پہلے مختصر طور پر بداء کے معنی و مفہوم کو بیان کریں گے۔ اس کے بعد امامؑ کا اس موضوع پر سلیمان مروزی سے مناظرہ پیش کریں گے۔

علم کلام کی اصطلاح میں ایک رائے کی دوسرے رائے کے ذریعے تبدیلی کو بداء کہا جاتا ہے لغت میں ظہور، آغاز اور کسی امر کو شروع کرنے کے معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ۳۹ قرآن مجید میں بھی کسی امر کے ظہور اور آشکار کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ”....بداء لھم من اللّٰہ مالم یکونوا

یحتسبون وبدالھم سیّأت ماکسبوا وحاق بھم ماکانوا بہ یستھزؤن ‘‘ ۴۰؎

اور اس روز خدا کا وہ قہر ظاہر ہوگا جس کا وہ گمان نہیں کرتے تھے نتیجہ میں ان کی بدکاری اور خرابی ظاہر ہوگی اور ان کے مزاق اڑانے کی بناپر قیامت کے دن عذاب ان کا احاطہ کرے گا۔

مدت دراز سے جو کلامی اور اعتقادی بحث چلی آرہی ہے وہ خدا کے بارے میں بداء کا عقیدہ ہے۔ رائے اور ارادہ کی تجدید یعنی مشروط ومقید طریقہ سے ایک رائے اور حکم کے بعد دوسری رائے اور حکم کی طرف خدا کی بازگشت علماء امامیہ کا عقیدہ ہے۔ بہت سے دینی اور تاریخی واقعات ، امور اور نتائج اعمال کے بارے میں محوواثبات کی آیتیں، سزا وجزاء کی تبدیلی کے بارے میں توبہ کی تشویق بداء کی بحث کا سبب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا خدا حکم دیتا ہے ۔ پھر اس سے باز رکھنے کا اشارہ قرآن میں موجود ہے ۴۱؎ دنبہ کی قربانی کے ذریعہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی سے بازگشت بداء کا بہت بڑا نمونہ ہے۔ اسی طرح توبہ واستغفار کے اثرات اور نیک اعمال کے نتیجہ میں برے اعمال کے اثرات زائل ہونے کا بیان قرآن میں موجود ہے۔ ۴۲؎ سورۂ رعد کی آیت ۳۹ میں بداء کی بحث کا بہترین ثبوت ملتا ہے۔ یمحو اللہ مایشاء و یثبت وعندہ امّ الکتاب خدا جو چاہتا ہے مٹادیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثبت کردیتا ہے اس کے پاس امّ الکتاب کتاب ثبت موجود ہے۔ امّ الکتاب حق تعالیٰ کا مخزون مخصوص علم یا لوح محفوظ ہے۔

شیعہ مدارک میں بھی پیغمبرؐ اور ائمہؑ کرام سے بداء کی تائید میں بہت سی روایتیں موجود ہیں۔ بداء کا عقیدہ تعظیم وطاعت وعبادت الٰہی کا بہترین مظہر ہے ائمہؑ نے ہمیشہ اس کی تاکید کی ہے۔ بداء کا مطلب خدا کے لئے علم جدید کا حاصل ہونا نہیں ہے۔ ۴۳؎

بداء کا عقیدہ بتاتا ہے کہ تمام مخلوق اور جملہ اوامر خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ ہر آن ایک نیا کام کرتا رہتا ہے۔اسی وجہ سے دنیا تدریجی ترقی کی طرف گامزن ہے۔ اسی طرح اس عقیدہ سے انسان کے اپنے مقدرات میں اس کے ارادہ اور اختیار‘‘ کی تائید ہوتی ہے۔

امام رضاؑ نے آغاز کلام میں قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت کرنے کے بعد بداء کا مسئلہ بیان فرمایا۔ سلیمان کی طرف مخاطب ہوکر آپ نے کہا کہ قرآن کی بہت سی آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں پھر تم کس طرح اسکا انکار کرتے ہو۔ مثلاً

اولا یذکرالانسان انّا خلقنا من قبل ولم یک شیئا‘‘ ۴۴؎ یعنی کیا انسان اس بات کو

یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پیدا کیا اور وہ اس سے پہلے کچھ نہ تھا۔

هو الّذی یبدء الخلق ثمّ یعیده وهو اهون علیه۔ ۴۵

یعنی وہی ہے جو تخلیق کا آغاز کرنے والا ہے اور دو مرتبہ ایجاد کرنے والا ہے اور دوبارہ ایجاد کرنا اس کے لئے آسان ہے۔

بدیع السّمٰوٰت و الارض ۴۶ یعنی وہی آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

یزید فی الخلق مایشاء انّ اللّٰه علی کل شیٍٔ قدیر ۴۷ یعنی تخلیق میں وہ اضافہ کرتا ہے بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

و بدأ خلق الانسان من طین ۴۸ یعنی س نے تخلیق انسان کا آغاز مٹی سے کیا۔

وآخرون مرجون لامر اللّٰه امّا یعزّ بهم وامّا یتوب علیهم۔ ۴۹ یعنی اور ایک دوسرا گروہ رحمت کی امید میں ہے یا تو وہ ان پر عذاب نازل کریگا یا ان سے درگزر کرے گا۔

وما یعمّر من معمّر ولا ینقص من عمره الاّ فی کتاب ۵۰ یعنی کوئی شخص طولانی عمر نہیں پاتا اور کسی کی عمر نہیں گھٹتی مگر یہ کتاب میں موجود ہے۔

امامؑ نے ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے سلیمان سے کہا کہ یہ آیتیں بداء پر دلالت کرتی ہیں۔ان آیتوں کی موجودگی میں تم بداء کا انکار کیسے کرسکتے ہو۔

سلیمان نے کہا کہ اس سلسلہ میں آپ کے آباء واجداد سے مروی روایتیں بھی موجود ہیں؟

امامؑ نے فرمایا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ علم خدا دو طرح کے ہیں یعنی دو مرحلہ میں اس کی تجلی ظاہر ہوتی ہے ایک وہ علم جو مخزون اور پوشیدہ ہے جسے خود ذات خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور بداء ایسے ہی علم سے مربوط ہے۔دوسرا وہ علم ہے جو خدا اپنے فرشتوں اور پیغمبروں کو تعلیم دیتا ہے۔ ۵۱

بداء کا مطلب یہ ہے کہ مصلحت کے تقاضے کی بنا پر کسی امر کے سلسلہ میں خدا اپنے ارادہ کا علم عطا کرتا ہے لیکن حقیقتاً اس کا ارادہ کسی دوسرے ایسے امر کے بارے میں ہوتا ہے جو اس کے خلاف ہے۔ پھر مصلحت اور موانع ختم ہونے کے بعد وہ حقیقی ارادہ کا اظہار کرتا ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کو کوئی دوسری شیٔ مطلوب ہے اور اس نے اپنے پہلے ارادہ سے عدول کرلیا ہے۔

یہ لوگوں کا نظریہ ہے حالانکہ خدا کے ارادۂ واقعی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

بداء کو اہبیت علیہم السلام کی تائید حاصل ہے اس وجہ سے امام علیہ السلام پہلے قرآن سے استدلال کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے "فتولّ عنهم فما انت بملوم" ۵۲؎ یعنی آپ ان سے منہ پھیر لیجئے آپ پر کچھ الزام نہیں ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتاہے کہ خدا انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کررہا ہے پھر مخلوقات کی نظر میں اللہ کو بداء حاصل ہوا اور اس نے کہا "وذکّر فانّ الذّکریٰ تنفع المؤمنین ۵۳؎" یعنی آپ یاددہانی کیجئے کیوں کہ یاددہانی لوگوں کو فائدہ پہونچاتی ہے ان دونوں آیتوں کے مضمون سے ایسا سمجھ میں آتاہے کہ خدا نے اپنے پہلے حکم سے عدول کرلیا اس کے بعد امامؑ نے اپنے آباء واجداد سے اور انہوں نے پیغمبرؐ سے سنا تھا اسے بیان کردیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے ایک پیغمبرؐ کی طرف وحی کی کہ تم فلاں بادشاہ کوآ گاہ کردو کہ فلاں دن وہ مرجائے گا وہ پیغمبر، بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے یہ بات بتادی بادشاہ تخت پر بیٹھا تھا اس نے اسی وقت خدا کو پکارا اور اتنا گڑگڑایا کہ تخت سے گرپڑا اور کہا کہ خدایا مجھے اتنی مہلت دیدے کہ میرے بچے بڑے ہوجائیں اور سب کام سنبھال لیں خدا نے بھی اپنے پیغمبرؐ کی طرف وحی بھیجی کہ اس بادشاہ سے جاکر کہہ دو کہ میں نے اس کی موت ٹال دی اس کی عمر میں پندرہ برس کا اضافہ کردیا۔

پیغمبرؐ نے بارگاہ معبود میں عرض کیا پروردگار! تو جانتا ہے کہ آج تک میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے جسے لوگ جھوٹ سمجھیں، اللہ نے کہا تم ہمارا پیغام پہونچانے پر مامور ہو، ہمارا پیغام پہونچادو کہ خدا جوکرتاہے اس سلسلہ میں اس سے سوال نہیں ہوسکتا۔ ۵۴؎

ظاہر ہے کہ جس معنیٰ میں بداء کو بیان کیا گیا ہے اس معنی میں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اور جو اس عقیدہ کے قائل ہیں ان پر بھی الزام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے بعد سلیمان کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ میرا گمان ہے کہ تم اس باب میں یہودیوں جیسی گفتگو کررہے ہو۔

سلیمان نے عرض کیا کہ میں ایسے کردار سے خدا کی پناہ چاہتاہوں یہودی آخر کیا کہتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا کہ یہودی کہتے ہیں کہ "ید الله مغلولة" یعنی اللہ کا ہاتھ بندھا ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تمام امور سے فارغ ہوگیا اب وہ نہ کسی چیز کو پیدا کرتاہے اور نہ کسی امر میں تصرف کرتاہے۔ خدا فرماتاہے " غلّت ایدیهم ولعنوا بما قالوا بل یداه مبسوطتان، ۵۵؎ یعنی ان کے

ہاتھ بندھ جائیں انہوں نے جو کہا ہے اسکی وجہ سے ان پر لعنت ہوئی ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ کشادہ ہیں۔خلق وامر اور محو واثبات جاری ہے خدا ہر زمانہ میں خلق اور تجدید کررہا ہے کچھ لوگوں نے میرے والد موسیٰ بن جعفرؑ سے بداء کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ لوگ بداء کا کیسے انکار کرتے ہیں، اگر خدا کسی امر میں فیصلہ کرنے میں تاخیر کرے تو کیا وہ اس کے بھی منکر ہیں؟

سلیمان نے کہا کہ آیت ’’ انّا انزلناہ فی لیلۃ القدر ‘‘ یعنی ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا کس سلسلہ میں نازل ہوئی ہے؟

امامؑ نے فرمایا شب قدر وہ رات ہے جس میں خدا تمام انسانوں کی زندگی،موت، خوبی، بدی،رزق وروزی کو موجودہ سال سے لیکر آئندہ سال تک کے لئے مقدر کردیتا ہے۔لہذا اس رات اس نے جو معین کردیا ہے وہ یقینی ہے۔

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا کہ اے سلیمان کچھ امور صرف اللہ کے پاس ہیں اور بس وہ جو پہلے کرنا چاہتا ہے کردیتا ہے اور جس چیز میں تاخیر کرنا چاہتا ہے تاخیر کرتا ہے۔حضرت علیؑ نے فرمایا علم دو طرح کے ہیں ،ایک علم وہ ہے جو اس نے ملائکہ اور پیغمبروں کو عطا کیا ہے یہ علم ہمیشہ اپنے حال پر باقی رہے گا۔خدا اپنے ملائکہ اور پیغمبروں کی تکذیب نہیں کرے گا اور ایک علم وہ ہے جو خدا کے پاس مخزون اور پوشیدہ ہے اور مخلوقات میں سے کسی کے پاس وہ علم نہیں ہے۔اسی علم والی شئے میں سے کچھ چیزوں کو وہ ختم کردیتا ہے اور کچھ چیزوں کو معرض وجود میں لاتا ہے۔

اس گفتگو کے بعد سلیمان نے بداء کی تائید کی ۵۶؎

اس کے بعد ازلیت اور حدوث ارادہ کے موضوع تک بات پہونچ گئی۔امامؑ نے ارادہ کے ازلی ہونے کو باطل اور اس کے حدوث کو ثابت کیا اور اس نظریہ سے تناقص رکھنے والی باتوں اور ذہن انسانی میں آنے والے اشکالات کی توضیح پیش کی۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ ارادہ اللہ کے افعال میں سے ایک فعل ہے اس کی صفتوں میں سے ایک صفت نہیں ہے اس بناپر وہ حادث ہے ازلی نہیں ہے کیوں کہ فعل مقولہ حوادث میں سے ہے اور ممکن ہے کہ فعل ، فاعل کے ساتھ متحد ہو اور ارادہ عین ارادہ کنندہ ہو۔اسی طرح ارادہ سننے دیکھنے اور جاننے کی طرح نہیں ہے جیسا کہ سلیمان مروزی ثابت کرنا چاہتا تھا۔کیوں کہ اس جملہ کا کہ’’اس نے اپنے کو مرید کیا‘‘ کہنے کا کوئی مطلب ہی نہیں جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے خود سننے والا کیا،

اس نے اپنے کو بینا کیا، دانا کیا۔ اور جس طرح امامؑ فرماتے ہیں" اس نے اپنے نفس کو مرید کیا، کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ کوئی چیز ہوگا ؟ کیا اس نے ارادہ کیا کہ وہ زندہ ہوگا؟ بینا ہوگا؟ سننے والا ہوگا ؟ توانا ہوگا۔ اگر وہ اپنے ارادہ سے ان صفات سے متصف ہوا ہے تو یہ محال ہے کیوں کہ اس کا مستلزم یہ ہے کہ اس کی ذات میں تبدیلی واقع ہو کیوں کہ اس صورت میں اس چیز کا ارادہ کرنے والا ہوگا جو اس کی ذات سے غیر ہے اور خدا ان باتوں سے بلند ہے۔" امامؑ ان دونوں صفتوں کے اختلاف کو پیش کرکے ان دونوں کے معنی کے اختلاف کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

سلیمان اس کے بعد خاموش ہوگیا۔

ازلیت وحدوثِ ارادہ اور اس کے متعلقہ مسائل کے سلسلہ میں پھر جو گفتگو شروع ہوئی تو مروزی نے اس مناظرہ میں جدل سے کام لیا وہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا وہ ارادہ کو"مقولہ فعل" مان لینے کے بعد دوبارہ انکار کردیتا تھا اور یہ دعویٰ کرنے لگتا تھا کہ یہ" صفت" ہے۔ اسی طرح وہ اعتراف کرنے کے بعد اس کے خلاف بولنے لگتا تھا۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ اس سے سوال کرتے ہیں کہ اے سلیمان! ارادہ فعل ہے یا اس کے علاوہ کچھ ہے؟

سلیمان نے کہا" ہاں ارادہ فعل ہے"

امامؑ نے فرمایا تو پھر ارادہ حادث ہوا کیوں کہ تمام افعال حادث ہیں؟سلیمان نے کہا "نہیں فعل نہیں ہے۔"

امامؑ نے فرمایا کہ پھر ایسی صورت میں ازل سے خدا کے ساتھ کوئی دوسری چیز بھی موجود تھی یعنی تم خدا کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا قدیم اور ازلی وجود بھی مانتے ہو؟

سلیمان بولا! نہیں میں اس کی ذات کے علاوہ کسی چیز کو قدیم نہیں مانتا۔ ارادہ ہی انشاء اور ایجاد ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ اے سلیمان تم تو ضرار ۵۷ اور اس کے پیروکاروں والی بات کررہے ہو، تم اور تمہارے دوست تو اسے برا سمجھتے ہیں۔ ضرار کا کہنا ہے کہ خدا نے آسمان، زمین، خشکی اور دریا میں کتا، سور، بندر، انسان اور حرکت کرنے والی جتنی مخلوق پیدا کی ہے یہ سب ارادۂ خدا ہے اور خدا کا ارادہ مخلوق ہے۔ زندہ ہوتا ہے۔ مرتا ہے، چلتا ہے، پیتا ہے، شادی کرتا ہے، لذت حاصل کرتا ہے۔ ظلم

کرتا ہے، برے کام انجام دیتا ہے، کافر ومشرک ہوتا ہے۔

سلیمان نے کہا کہ ارادہ سننے دیکھنے اور جاننے کی طرح ہے یعنی صفت ہے جب اسے کوئی جواب نہیں سمجھ میں آیا تو وہ پھر اسی طرف پلٹ آیا اور بولا کہ ارادہ صفت ہے فعل نہیں ہے۔ ۵۸

امامؑ نے پہلی روش چھوڑ کر دوسری روش کے ذریعہ اسے پھر سے گھیر لیا جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ امامؑ کی نظر میں یہ مسئلہ کتنا روشن واضح اور مدلل تھا کہ آپ جس رخ کو اپنا تے تھے اپنی بات ثابت کر دیتے تھے۔

امامؑ اور مروزی کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ نہایت اطمینان بخش جواب دیتے رہے۔ اس بحث میں جو انداز آپ نے اختیار کیا وہ فن مناظرہ کا بہترین انداز سمجھا جاتا ہے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ مخالف کو جواب دینے کے بعد اس کے جواب کا راستہ بند نہیں کرتے تھے بلکہ بحث وگفتگو میں اس کے لیے راستہ کھلا رکھتے تھے تا کہ وہ جس راستہ پر چل رہا ہے اسی پر آگے بڑھتا چلا جائے اور پھر ایسی جگہ پہونچ جائے جہاں راستہ بند ہو اور وہاں سے آگے بڑھنا ناممکن ہو جائے ایسے موقع پر امامؑ جس راستہ پر اسے لے جانا چاہتے تھے اسی راستہ پر چلنے کے لئے اسے مجبور ہونا پڑتا اور اس طرح بات مان لینے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

جب امامؑ نے سلیمان پر دلیل وحجت کا راستہ بند کر دیا تو وہ امامؑ کے سوالات کے سامنے بوکھلا گیا اور بار بار غلطی کرنے لگا۔ مامون سلیمان کی ان غلطیوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس کی شکست کی علامت تھیں اس بنا پر مامون نے اسے ملامت کی اور بے فائدہ باتوں سے منع کر دیا۔

اس کے بعد امامؑ نے سلیمان سے کہا کہ تم اپنے سوالات آخر تک بیان کرو۔ سلیمان نے کہا کہ ارادہ خدا کی ایک صفت ہے" امامؑ نے فرمایا کہ تم کب تک یہ کہتے رہو گے کہ ارادہ خدا کی صفت ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ارادہ حادث ہے یا قدیم۔ سلیمان نے عرض کیا کہ "حادث ہے"

امامؑ نے کہا، اللہ اکبر پس معلوم ہوا کہ ارادہ حادث ہے۔ اگر ارادہ خدا کی صفت ہوتا تو ازلی اور قدیم ہوتا اور کسی چیز کا ارادہ نہ ہوا ہوتا کیوں کہ ازلی مصنوعہ اور مخلوق نہیں ہوسکتا ایک ہی حالت میں حادث اور ازلی ہونا ناممکن ہے۔

سلیمان نے کہا کہ ازل میں ارادہ تھا مگر جس کا ارادہ کیا گیا مراد وہ نہ تھا امامؑ نے فرمایا اے سلیمان! تم وسوسہ میں گھر گئے ہو۔ اگر ارادہ ازلی ہوگا تو جس کا ارادہ کیا جائے یعنی مراد وہ بھی

ازلی ہوگا کیوں کہ تمہارے کہنے کے مطابق خدا نے اسے بھی پیدا کیا ہوگا جس کی خلقت ازلی ہے۔ یہ تو اس کی صفت ہے جو یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور خدا اس سے منزّہ ہے۔

سلیمان نے کہا کہ "ارادہ" سننے دیکھنے اور جاننے کی طرح ہے۔ مامون اس کی بات پر برافروختہ ہوگیا۔ اس نے کہا سلیمان تم پر افسوس ہے تم کتنی غلطیاں کئے جارہے ہو۔ اگر ابوالحسن کے اعتراض کا جواب نہیں دے سکتے تو اس موضوع کو چھوڑ دو کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرو کیوں کہ تمہارے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا جواب نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کا سلسلہ منقطع نہ کرو تا کہ اس پر حجت تمام ہوجائے۔

سلیمان نے کہا کہ بینائی اور سماعت کی طرح ارادہ، علم ہے امامؑ نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ ان امور کے معنی ایک ہیں، یا متعدد؟ سلیمان نے کہا معنیً ارادہ ایک ہے۔

امامؑ نے فرمایا اگر تمام ارادہ کا ایک معنی ہے تو پھر قیام کا ارادہ قعود ہے، حیات کا ارادہ موت ہے۔ اگر خدا کا ارادہ ایک ہوگا تو بعض شئی بعض پر مقدم نہیں ہوگی اور بعض، بعض کی مخالف بھی نہیں ہوگی سب ایک شئے ہوگی۔

سلیمان نے کہا معنیً ارادہ مختلف ہے۔

حضرت نے پوچھا مرید اور ارادہ ایک ہے یا نہیں؟

سلیمان نے کہا مرید، عین ارادہ ہے۔

حضرت نے فرمایا تمہارے قول کی بنا پر چونکہ ارادہ مختلف ہے اس وجہ سے مرید بھی مختلف ہے۔

سلیمان نے کہا ارادہ، مرید نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا پس ارادہ حادث ہے اگر ایسا نہیں ہوگا تو خدا کے ساتھ ایک دوسرے کے قدیم ہونے کا بھی قائل ہونا پڑے گا حالانکہ صرف ذات خدا قدیم ہے۔ سلیمان نے کہا ارادہ خدا کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

امامؑ نے کہا کہ کیا خدا نے اپنا یہ نام خود رکھا ہے؟

سلیمان نے کہا اس نے اپنا یہ نام خود نہیں رکھا ہے۔

امامؑ نے فرمایا پھر تم کو اسے اس نام سے مسمّٰی کرنے کا حق نہیں ہے۔ جو اس نے نہیں رکھا ہے۔

سلیمان نے کہا کہ اس نے مرید کی صفت سے اپنے آپ کو خود ہی متصف کیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا مرید کی صفت سے اپنے آپ کو متصف کرنا نہ تو اس چیز کی خبر دیتا ہے کہ ارادہ ہے نہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ارادہ خدا کا کوئی نام ہے۔

سلیمان نے کہا کہ اس چیز کی خبر ہے کہ ارادہ اسمائے خدا سے ایک اسم ہے کیوں کہ ارادہ عین علم ہے۔

امامؑ نے فرمایا کہ جب اسے کسی چیز کا علم ہوتا ہے تو کیا اس کے لئے اس کا ارادہ کرنا ضروری ہے؟

سلیمان نے کہا''ہاں ایسا ہی ہے''

حضرت نے فرمایا کہ اگر وہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کا علم نہیں ہے۔

سلیمان نے کہا''ہاں''

امامؑ نے فرمایا تم کس دلیل سے یہ بات کہہ رہے ہو کہ اس کا ارادہ ہی علم ہے۔ حالانکہ وہ اس چیز کا بھی علم رکھتا ہے جس کا اس نے ارادہ نہیں کیا ہے اس نے خود کہا ہے۔''ولئن شئنا لنذھبنّ بالّذی اوحینا الیک''۵۹؎ یعنی ہم نے تم پر جو وحی نازل کی ہے اگر ہم چاہیں تو اسے لے جائیں۔

پس حق تعالیٰ کو سینوں اور مصحفوں سے وحی لے جانے کا علم ہے حالانکہ اس نے ایسا نہیں کیا۔

سلیمان نے کہا کہ ایسا نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امر سے فارغ ہو گیا ہے اور جو معین کرنا تھا وہ معین کر چکا ہے اب وہ تبدیلی نہیں کرتا وہ اپنے امر میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتا۔

امامؑ نے فرمایا یہ یہودیوں کا خیال ہے اگر ایسا ہی ہے تو پھر وہ قرآن میں یہ کیوں کہتا ہے کہ''اُدعونی استجب لکم''۶۰؎ تم مجھے پکارو تا کہ میں تمہاری چاہت پوری کروں۔

سلیمان نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسے کر سکتا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ کیا خدا ایسا وعدہ کرتا ہے جسے وہ پورا نہیں کرے گا؟ اگر وہ امر سے فارغ ہو چکا ہے تو پھر یہ کیسے کہتا ہے کہ''یزید فی الخلق مایشاء''۶۱؎ یعنی وہ ہر آن جو چاہتا ہے

خلقت میں اس کا اضافہ کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ یمحو اللّٰہ مایشاء و یثبت وعندہ امّ الکتاب۔ ٦٢
یعنی خدا جو چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جو چاہتا ہے ثبت کرتا ہے اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ کیا خدا یہ جانتا ہے کہ انسان پیدا ہوگا حالانکہ اس نے انسان کے خلق کا کبھی ارادہ نہیں کیا؟ کیا خدا یہ جانتا ہے کہ انسان آج مرجائے گا حالانکہ اس نے اس کے آج مرنے کا ارادہ نہیں کیا؟ سلیمان نے کہا ''ہاں''

حضرتؑ نے پوچھا کہ اس نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے کیا وہ ہوجائے گی؟

یا وہ چیز ہوگی جس کا اس نے ارادہ نہیں کیا ہے؟

سلیمان نے کہا کہ وہ جانتا ہے کہ دونوں چیزیں ہوجائیں گی۔

امامؑ نے کہا کہ ایسی صورت میں وہ جانتا ہے کہ انسان آن واحد میں زندہ بھی ہے اور مردہ بھی، کھڑا بھی ہے اور بیٹھا بھی، بینا بھی ہے اور نابینا بھی، اور یہ محال ہے۔

جس انسان کی حیات وموت کا خدا کو علم ہے اس کی حیات اور موت کا ارادہ بھی ہے اور ارادہ مراد سے یعنی جس کا ارادہ کیا جائے کبھی سے جدا نہیں ہوتا لہٰذا مراد یعنی جس کا ارادہ کیا جائے وہ اس کی حیات اور موت ہے اور جو چیز مراد ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ فعلیت کی منزل میں پہونچ جائے ورنہ مراد کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا۔لہٰذا انسان ایک ہی وقت میں مردہ بھی ہے اور زندہ بھی، یہ جمع بین النقیضین ہے جسے عقل باطل قرار دیتی ہے۔سلیمان نے کہا کہ خدا ان دونوں میں سے ایک کا علم رکھتا ہے دوسرے کا علم نہیں رکھتا۔

امامؑ نے پوچھا ان میں سے کس کا علم ہے؟

سلیمان نے عرض کیا کہ اس نے جس چیز کا ارادہ کیا اس کے وجود کا اسے علم ہے۔

امامؑ ، مامون اور حاضرین ، سلیمان کی بات پر ہنسنے لگے۔ حضرتؑ نے فرمایا تم سے اشتباہ ہوگیا تم نے جس کا اقرار کیا اسے چھوڑ دیا اور اپنے قول کا تم نے انکار کردیا کیوں کہ تم نے کہا کہ انسان کے فلاں روز مرنے کا خدا کو علم ہے حالانکہ خدا نے اس کے مرنے کا ارادہ نہیں کیا ہے اور خدا یہ جانتا ہے کہ ایک موجود فلاں روز عالم وجود میں آجائے گا حالانکہ اس نے اس کے وجود کا ارادہ نہیں کیا؟

سلیمان نے کہا کہ ارادہ نہ تو علم ہے نہ غیر علم۔ حضرتؑ نے فرمایا جب تم یہ کہتے ہو کہ ارادہ علم نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر علم ہے اور جب یہ کہتے ہو کہ غیر علم ہے تو ایسی صورت

میں وہ علم ہے اور یہ تناقض ہے۔

امامؑ نے فرمایا اے سلیمان ! کیا خدا یہ جانتا ہے کہ وہ تنہا ہے اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ہے؟

سلیمان نے عرض کیا'' جی ہاں''

امامؑ نے فرمایا کہ یہ علم اثبات اشیاء کا موجب ہے؟

سلیمان نے کہا خدا یہ نہیں جانتا کہ وہ تنہا ہے اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ہے۔

امامؑ نے کہا کہ کیا تم کو یہ معلوم ہے کہ خدا ایک ہے اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں ہے تو اس طرح کیا تم خدا سے زیادہ علم کے حامل نہیں بن گئے؟

امامؑ نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک تو یہ محال ہے کہ وہ ایک ہو ایک ہو اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہو اور وہ سمیع ، بصیر، حکیم، علیم اور قادر ہو؟

سلیمان نے کہا ہاں یہ محال ہے!

امامؑ نے فرمایا کہ پھر خدا نے یہ خبر کیسے دی کہ وہ ایک ہے اور سمیع وعلیم، خبیر اور بصیر ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ خود اس بات کو نہیں جانتا کہ ایسا ہے یہ خدا کے خبر دینے کا نقص ہے اور خدا ایسی باتوں سے بلند و برتر ہے۔

پھر امامؑ نے فرمایا کہ اگر خدا کو علم نہیں ہے تو وہ جسے نہیں جانتا اسکے ایجاد وکا ارادہ کیسے کرتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اسے کیسے پیدا کرنا چاہئے اگر کسی کا چیز بنانے والا اس کے بنانے سے پہلے بنانا نہیں جانتا تو وہ متحیر رہ جائیگا اور خدا ان باتوں سے بالاتر ہے۔

سلیمان نے کہا کہ کیا ارادہ ہی قدرت ہے ؟!

امامؑ نے فرمایا ارادہ ہی قدرت نہیں ہے کیوں کہ خدا نے جس چیز کا کبھی ارادہ نہیں کیا وہ اس پر بھی قادر ہے اور ایسا ہونا بھی چاہئے کہ کیوں کہ وہ خود فرماتا ہے'' لئن شئنا لنذھبنّ بالّذی اوحینا الیک ''

یعنی اگر ہم چاہیں تو تمہاری طرف جو وحی کی ہے اسے لے جائیں۔

اگر ارادہ ہی قدرت ہے تو جب وہ اس بات پر قادر ہے تو ارادہ سے پہلے اس شئے کو ختم ہوجانا چاہئے۔

یہ گفتگو تھوڑی دیر تک یوں ہی جاری رہی یہاں تک کہ سلیمان خاموش ہوگیا اور مامون نے اس سے کہا کہ اے سلیمان یہ بنی ہاشم کی دانا ترین فرد ہیں پھر حاضرین مجلس رفتہ رفتہ اٹھ کر چلے گئے ۶۴

امام علیہ السلام سے گفتگو کرنے کے لئے مامون ہر مذہب وملت کے متکلمین کو بلاتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے کہ کوئی امامؑ کو لاجواب کردے لیکن امامؑ کے انداز گفتگو کی بنا پر کسی میں مقاومت کی تاب نہ تھی۔ سب ان کے فضل وکمال کا اقرار کرتے اور ان کی حجت وبرہان کو قبول کرلیا کرتے تھے۔

علی بن محمد بن جہم کے ساتھ مناظرہ

عصمت انبیاء کے سلسلہ میں علی بن محمد بن جہم سے حضرت امام رضاؑ کا جو مناظرہ ہوا اس میں آیتوں کے ظاہری معنی سے جو اس عقیدہ کے سلسلہ میں تناقص پیدا ہورہا تھا، آپ نے ان کے واقعی اور حقیقی مفاد بتا کر حیرت انگیز طریقہ پر حقیقت کو آشکار کردیا۔

علی ابن جہم نے کہا کہ اگر انبیاء سے کسی طرح کی کوئی معصیت نہیں ہوتی تو پھر ان آیتوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں مثلاً

''عصیٰ آدم ربه فغویٰ'' ۶۵۔یعنی آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور وہ راہ صواب سے بے راہ ہوگئے۔

''وذالنّون اذ ذھب مغاضباً فظنّ ان لن نقدر علیه'' ۶۶یعنی اور یونس کو یاد کرو جب وہ غصہ میں اپنی قوم سے باہر نکلے اور یہ گمان کیا کہ ہم ان پر روزی تنگ نہیں کریں گے۔

حضرت یوسف کے بارے میں فرمایا'' لقدھمّت به وھمّ بھا'' ۶۷

یعنی زلیخا نے حضرت یوسفؑ کا قصد کیا اور حضرت یوسفؑ نے زلیخا کا قصد کیا۔

حضرت داؤدؑ کے بارے میں ارشاد ہوا'' وظنّ داؤد انّما فتنّاه'' ۶۸

یعنی اور داؤدؑ نے سمجھا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا۔

اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوا'' تحفی فی نفسک مااللّٰه مبدیه وتخشی النّاس واللّٰه احق ان تخشاه'' ۶۹ یعنی آپ اپنے دل میں کچھ چھپاتے ہیں اور خدا انہیں ظاہر کردیتا ہے اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ خدا سے ڈرنا

زیادہ مناسب ہے۔

جو افراد اپنی رائے اور مرضی سے کتاب خدا کی تفسیر اور تاویل کرتے ہیں، امامؑ نے علی بن جہم سے ان کی مذمت کی اور آیت سے" وما یعلم تاویلہ الاّ اللّٰہ والرّاسخون فی العم"۰ ۷ یعنی اس کی تاویل سوائے خدا اور راسخون فی العلم کے اور کوئی نہیں جانتا، گفتگو کا آغاز کیا آپ نے فرمایا کہ آیات کی صحیح تفسیر جاننے کے لئے خدا نے جنہیں طاقت ودانش ومعرفت کا ملکہ عطا کیا ہے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

پھر ان آیتوں کو بیان فرمایا جن کے ظاہری معنی سے انبیاء کی عدم عصمت اور صدور معصیت کا جواز سمجھ میں آتا تھا۔ حضرت آدم کے بارے میں آپ نے فرمایا آدم کو اللہ نے حجت قرار دیا اور روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اس نے انہیں بہشت کے لئے پیدا کیا تھا اس سے صرف اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ ان سے بہشت میں نافرمانی ہوئی اور بحث ونظر کا مورد روئے زمین ہے۔ یہاں ان سے معصیت سرزد نہیں ہونی چاہئے لہٰذا زمین پر کوئی ایسا عمل نہیں صادر ہوا جو عصمت کے منافی ہو اور اس کی دلیل خدا کا یہ قول ہے کہ "انّ اللّٰہ اصطفی آدم ونوحاً وّآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین"۔ ا ۷

یعنی خدا نے آدمؑ، نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو عالمین پر منتخب کرلیا اور یہی انتخاب ان رہبران الٰہی کی عصمت پر گواہ ہے کیوں کہ بغیر عصمت کے اگر انتخاب ہوگا تو پھر اس سے نقص غرض لازم آئے گا یعنی جس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا ہے وہ مقصد پورا نہیں ہوگا۔

یونس بن متی (ذوالنون) کے بارے میں جو تمہارا سوال ہے تو یہاں ظن سے مراد یقین ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ" ان کو یقین تھا کہ اللہ نے ان کی روزی تنگ نہیں کی ہے" اگر گمان کے معنی ہوتے تو مطلب یہ ہوتا کہ خدا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا۔ تو یقیناً کافر ہوجاتے پھر محض معصیت اور گناہ کی بات نہیں ہوتی۔

زن عزیز مصر (زلیخا) اور حضرت یوسفؑ کے ارادہ میں بڑا فرق ہے۔ عزیز مصر کی بیوی ارتکاب معصیت کی کوشش کررہی تھی اور حضرت یوسفؑ اس فکر میں تھے کہ اگر ان کو اس نے مجبور کردیا تو اس گناہ کی بنا پر انہیں قتل کردیا جائے گا اور خدا نے اس قتل، اس گناہ کے برے نتائج اور برے عمل کے ارتکاب سے حضرت یوسفؑ کو بچالیا اور فرمایا کہ کذالک لنصرف عنہ السّوء

والفحشاء ہم نے بدی اور فحشاء کو ان سے دور کرنا چاہا۔

امامؑ نے اپنے مناظرہ میں مامون سے کہا کہ زلیخا نے حضرت یوسفؑ کا قصد کیا اور اگر حضرت یوسفؑ اپنے رب کی دلیلیں نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی قصد کر لیتے لیکن وہ معصوم تھے اور معصوم نہ تو گناہ کا قصد کرتا ہے اور نہ گناہ کا ارتکاب۔ میرے والد نے اپنے پدر بزرگوار امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ'' زلیخا نے گناہ انجام دینے کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ نے انجام نہ دینے کا ارادہ کیا۔۲۷

اب رہا داؤد کا مسئلہ تو جناب داؤد نے یہ گمان کیا کہ اللہ نے ان سے زیادہ کسی کو عقل مند نہیں بنایا ہے۔ خدا نے دو فرشتوں کو معین کیا تا کہ وہ ان کے سامنے آ کر کہیں کہ ہم دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا، ایک نے دوسرے پر ظلم کیا آپ ہمارے درمیان وہ فیصلہ کیجئے جو حق ہو، آپ ہمیں راہ راست کی ہدایت کیجئے۔ یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ۹۹ دُنبے ہیں اور میرے پاس ایک دنبہ ہے لیکن اس کا اصرار ہے کہ میں یہ ایک دنبہ بھی اسی کے حوالہ کردوں۔ یہ باتوں میں مجھ پر غالب آگیا ہے اور قوت گویائی میں مجھ سے زیادہ ہے ۳۷ یہاں جناب داؤدؑ نے فیصلہ میں عجلت سے کام لیا اور مدعا علیہ سے پوچھے بغیر کہہ دیا کہ جو تیرا دنبہ مانگ رہا ہے وہ تجھ پر ظلم کر رہا ہے۔ یہ بات فیصلہ کے اصول کے خلاف تھی۔ انہیں مدعلیہ سے پوچھنا چاہیئے تھا لیکن ان کی یہ خطا، معصیت نہیں تھی خدا نے ان دونوں فرشتوں کی داستان بیان کر کے ان کے اشتباہ کا سدّباب کر دیا۔

جناب داؤدؑ نے جو یہ سمجھ رکھا تھا کہ خدا نے ان سے زیادہ عقل مند کسی اور کو نہیں بنایا ہے تو اس خیال کا جبران انہوں نے استغفار کے ذریعہ کر لیا اور خدا نے ان کے ترک اولیٰ کو بخش دیا اس لئے کہ وہ خود کہہ رہا ہے کہ یاداؤد انّا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین النّاس بالحقّ ولاتتبّعوا الھویٰ''۴۷ یعنی اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ قرار دیا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو۔

جناب داؤدؑ کا اوریا کی بیوی سے ازدواج کا قصہ غلط طریقہ سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ اوریا جناب داؤدؑ کے لشکر کا ایک بڑا سپاہی تھا۔ جناب داؤدؑ معاذ اللہ اس کی بیوی پر فدا ہوگئے اور ان پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے اوریا کو میدان جنگ میں بھیج دیا تا کہ ان کے قتل ہوجانے کے بعد ان کی بیوی سے شادی کرلیں۔ امامؑ نے جناب داؤدؑ کے بارے میں پہلے علی بن محمد بن جہم سے پوچھا

کہ تمہارے سلف اس بارے میں کیا کہتے تھے۔؟ اس نے بتایا کہ ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ حضرت داؤدؑ محراب عبادت میں مشغول نماز تھے کہ ناگاہ ایک فرشتہ خوبصورت پرندہ کی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا اسے دیکھتے ہی داؤدؑ نے نماز توڑ دی اور اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھے، وہ پرندہ اڑ کر چھت پر چلا گیا آپ بھی چھت پر چڑھ گئے وہ پرندہ اوریا کے گھر میں چلا گیا جب حضرت داؤدؑ نے جھانک کر دیکھا تو وہاں اوریا کی بیوی غسل کر رہی تھی، جب حضرت داؤدؑ کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ فریفتہ ہوگئے اور حضرت داؤدؑ نے اوریا کو ایک جنگ میں بھیج دیا اور سردار لشکر کو لکھا کہ انہیں صف اوّل میں لڑنے کے لئے بھیجو۔ سردار لشکر نے انہیں صف اوّل میں لڑنے کا حکم دیا وہ مشرکین پر فتحیاب ہوکر صحیح وسالم لوٹ آئے۔ حضرت داؤدؑ کو بڑا برا معلوم ہوا، انہوں نے دوبارہ لکھا کہ اسے پھر صف اوّل میں تعینات کیا جائے۔ دوسری مرتبہ وہ قتل کردیا گیا او داؤد نے ان کی بیوی سے شادی کرلی۔

حضرت امام رضاؑ نے یہ کہانی سن کر فرمایا انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون ۔تم خدا کے ایک پیغمبرؑ کے لئے یہ کہتے ہو کہ انہوں نے نماز کو سبک سمجھا اور اسے توڑ کر ایک پرندہ کے پیچھے دوڑ پڑے اس کے بعد انہوں نے یہ بھی کیا کہ کسی کو کسی کے قتل پر اکسایا؟!

علی بن جہم نے کہا کہ اے فرزند رسولؐ ! پھر حضرت داؤدؑ کا گناہ کیا تھا؟ آپؑ نے فرمایا کہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں یہ غلط رسم رائج تھی کہ اگر کسی کا شوہر مرجاتا یا جنگ میں قتل کردیا جاتا تو اسکی بیوی پھر کسی دوسرے مرد سے عقد ثانی نہیں کرسکتی تھی ۔ اللہ نے حضرت داؤدؑ کے لئے کسی بیوہ سے شادی کو پہلی بار مباح قرار دیا۔ میدان جنگ میں اوریا کے قتل ہوجانے اور عدہ کی مدت گذرجانے کے بعد حضرت داؤدؑ نے ان سے عقد فرمایا البتہ یہ اقدام اس زمانہ کے لوگوں کے درمیان گناہ سمجھا جاتا تھا وہ اسے بہت برا مانتے تھے۔ جناب داؤدؑ کا عمل عمومی مصلحت کے مطابق شریعت کے دائرے میں ایک عمدہ اقدام تھا۔ وہ اس طرح اس غلط رسم کو توڑنا چاہتے تھے۔

جیسا کہ پیغمبرؐ اکرم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جب آپ نے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی مطلّقہ زینب بنت جحش سے عقد فرمایا۔ آپ نے اس اقدام کے ذریعہ جاہلی دور کے رواج کو ختم کرڈالا۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ منہ بولے بیٹے کو بیٹا اور اس کی بیوی کو بہو سمجھ کر طلاق کے بعد اس سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اس کی مکمل تصریح کردی ہے۔ چونکہ پیغمبرؐ کو منافقین کی انگشت نمائی کا کھٹکا تھا اس وجہ سے خدا نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ'' آپ ان سے ڈرتے ہیں

حالانکہ خدا سے ڈرنا زیادہ مناسب ہے" خدا نے آپ کو خود ہی اس ازدواج کا حکم دیا تھا جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ "فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَهَا لِکَیۡلَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا"۔ ۵۷ے

یعنی جب زید اپنی بیوی سے جدا ہوگئے تو ہم نے اس عورت کا نکاح تم سے کردیا تاکہ متبنّیٰ کی بیویوں سے طلاق کے بعد عقد میں مومنین کیلئے کوئی مشکل نہ رہ جائے خدا کا حکم نافذ اور یقینی ہے۔

امامؑ نے اس عمدہ تفسیر اور اطمینان بخش تاویل کے ذریعہ شک وشبہات کا غبار صاف کردیا جو قرآن کی ژرف نگاہی سے واقف نہ تھے آپ نے انہیں اس کی گہرائی کا علم عطا کیا۔

عصمت انبیاء کی دلیلیں جب امامؑ پیش کر چکے تو انہیں سن کر علی بن محمد بن جہم رونے اور توبہ واستغفار کرنے لگا۔

اپنے زمانہ کے متکلمین سے امامؑ نے جو گفتگو اور مناظرے کئے اسے میں نے اختصار کے ساتھ پیش کردیا تاکہ لوگ ائمہ کی مجموعی روش سے آگاہ ہوجائیں اور اس علمی، فکری اور نظری آزادی کے دور میں آگاہانہ عقیدہ کے ساتھ زندگی گزاریں۔

مامون کے ساتھ امامؑ کے مناظرے

اب ہم وہ مناظرے پیش کریں گے جو امام علیہ السلام نے مامون عباسی سے کئے تھے۔

عصمت انبیاء

ایک نشست میں مامون نے امامؑ سے پوچھا فرزند رسولؐ! کیا آپ انبیاء کی عصمت کے قائل نہیں ہیں؟

امامؑ نے فرمایا ہم انبیاء کو معصوم مانتے ہیں۔

مامون نے عرض کیا کہ پھر "عصیٰ آدم ربّہ فغویٰ" ۶ے یعنی آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور وہ راہ صواب سے بے راہ ہوگئے کے کیا معنی ہیں؟

امامؑ نے کہا کہ خدا نے آدم وحوا کو صرف اس درخت اور اس جنس کے دوسرے درخت کے نزدیک جانے سے منع کیا تھا اس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا تھا۔ آدم وحوا نے امر خدا

کی پابندی کی اور اس درخت سے دور رہے لیکن شیطان نے حقیقت کو مشتبہ کر دیا اور اس نے چاہا کہ وہ دوسرے اس درخت کا پھل کھالیں جو نہی شدہ درخت کی جنس سے ہے۔اس نے قسم کھا کر کہا کہ خدا نے اس کے ہم جنس درخت کا پھل کھانے سے منع نہیں کیا ہے اور وہ تو انکا خیر خواہ ہے آدم وحوا کو اس کی قسم پر اطمینان حاصل ہوگیا اور اس جیسے دوسرے درخت کا پھل کھا لیا۔آدم کا یہ عمل پیغمبر کے انتخاب اور دنیا میں آنے سے پہلے ہو چکا تھا اور آدم جس چیز کے مرتکب ہوئے وہ گناہ کبیرہ نہ تھا جس کی بنا پر جہنم میں ڈال دئے جاتے بلکہ یہ ترک اولیٰ تھا جو بعثت سے پہلے پیغمبروں کے لئے جائز اور معاف ہے اور جب اللہ نے آدمؑ کو پیغمبر کے لئے منتخب کیا تو وہ معصوم تھے اور ان کے لئے صغیرہ وکبیرہ کسی طرح کا گناہ مناسب نہیں تھا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلہ میں فرماتا ہے ''وعصیٰ آدم ربّہ فغویٰ ثمّ اجتبہ ربّہ فتاب علیہ وھدیٰ'' ۷۷ یعنی آدم نے اللہ کی نافرمانی کی اور راہ صواب سے بے راہ ہوگئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان کی ہدایت کی انہیں پیغمبری کے لئے منتخب کرلیا۔ امامؑ نے اس آیت کے سلسلہ میں علی بن محمد بن جہم سے فرمایا کہ یہ نافرمانی بہشت میں ہوئی تھی نہ کہ روئے زمین پر اور حضرت آدمؑ روئے زمین پر خلیفہؑ ہیں۔ بہشت وہ جگہ نہیں ہے جہاں انسان مکلّف ہو تاکہ تکلیف کے مدمقابل عصیان صادق آئے۔تکلیف کی جگہ تو زمین ہے اور ان دونوں جوابوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

دوسری جگہ ارشادات ہوتا ہے انّ اللّٰہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وّآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین۔ ۷۸ یعنی اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو عالمین پر منتخب کرلیا۔

مامون نے امامؑ رضا سے حضرت ابراہیمؑ خلیل کے بارے میں سوال کیا کہ وہ شک کے مرحلہ سے گزر رہے تھے جیسا کہ ظاہر قرآن ان کے اس میں اشارہ کرتا ہے کہ جب حق ان پر آشکار ہوگیا تو وہ ایمان لائے ۷۹

ارشاد ہوتا ہے فلمّا جنّ علیہ اللّیل رأ کوکباً قال ھذ ربّی.... ۸۰

یعنی جب رات تاریک ہوگئی اور آپ نے چمکتا ہوا ستارہ دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے... لیکن جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا میں ایسے کی خدائی تسلیم نہیں کرتا۔ پھر جب چاند نکلا تو آپ نے فرمایا یہ میرا پروردگار ہے جب وہ بھی غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر خدا ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہم گمراہ ہوتے۔ پھر جب چمکتا ہوا سورج نظر آیا تو فرمایا یہ میرا رب ہے یہ تو بڑا ہے لیکن

جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا کہ اے قوم والو! تم جسے خدا کا شریک قرار دیتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ میں نے تو اس خدا کی طرف خالصانہ رخ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

امامؑ نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیمؑ شک وشبہ کی وادی میں بھٹک نہیں رہے تھے۔ ان کا زمانہ وہ تھا جب زہرہ ستارہ، ماہتاب اور آفتاب کی پرستش ہوتی تھی۔ خدا پر اپنا ایمان آشکار کرنے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے مرحلہ بہ مرحلہ ان کا ذکر فرمایا یہ ظاہری طور پر آگاہی حاصل کرنے اور انکار کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ وہ ہر ایک کے بارے میں عقیدہ کی خرابی رفتہ رفتہ بیان کرنا چاہتے تھے وہ انکا عقیدہ نہیں قبول کررہے تھے اور نہ ان کے مذہب پر حضرت ابراہیمؑ کا ایمان تھا آپ عینی استدلال کے ساتھ خدا پر ایمان سے لبریز روح کے ذریعہ اپنے زمانہ کے انسانوں کے دین وعقیدہ کا فساد، دلیل وبرہان سے ثابت کرنا چاہتے تھے اور یہ بتارہے تھے کہ زہرہ، ماہتاب، آفتاب اور اس طرح کی تمام چیزیں تغیّر پذیر ہیں یہ تو طلوع وغروب ہوجانے والی چیزیں ہیں یہ عبارت کے لائق نہیں ہیں کیوں کہ یہ سب مخلوق کی صفتیں ہیں خدا نے خود فرمایا کہ ''تلک حجّتنا آتینا ابراھیم علیٰ قومہ'' ۸۱؎ یعنی یہ ہماری دلیلیں تھیں جو ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مدمقابل پیش کرنے کے لئے عطا کی تھیں۔

یعنی استدلال کا یہ طریقہ پروردگار کی طرف سے الہامی تھا لہٰذا جو کچھ بھی واقع ہوا وہ ان کی عبادت وپرستش کے بطلان پر استدلال تھا کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے ایمان کی طرف دعوت دینے کا یہ ایک حسین انداز ہے۔ ۸۲؎

مامون نے امامؑ سے آیت ''حتّٰی اذالستیأس الرّسل وظنّوا انّھم قد کذّبوا جائھم نصرنا'' ۸۳؎ یعنی یہاں تک کہ رسولؐ مایوس ہوگئے اور یہ گمان کیا کہ وہ جھٹلائے گئے تو اس وقت ان کے پاس ہماری نصرت پہونچی، کے بارے میں سوال کیا۔

اس آیت کے بارے میں جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ پیغمبروں کے مایوس ہونے کا شبہ ہے۔ خدا نے ان سے کامیابی کا وعدہ کرلیا تھا لیکن اس کے بعد بھی مدد نہیں پہونچی تو وہ ناامید ہوگئے حالانکہ خدا کی رحمت سے مایوسی کفر ہے وہ خود قرآن میں کہتا ہے'' ولاتیٔسوا من روح اللّٰہ انّہ لاییئاس من روح اللّٰہ الّاالقوم الکافرون۔ ۸۴؎ یعنی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا اس کی رحمت سے تو صرف کافر مایوس ہوتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسولؐ یا نبی رحمت خدا سے مایوس ہوجائے جبکہ آیت کہتی

ہے کہ یہ کافروں کا کام ہے پھر کفر سے بڑا گناہ کیا ہوسکتا ہے ۔ اس میں بظاہر بعثت اور نزول وحی کے بعد مایوسی کا تذکرہ ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ آیت میں نصرت کے وعدہ کے بعد نصرت نہ ملنے کی مایوسی کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ لوگوں کے ایمان قبول کرنے سے مایوسی کا ذکر ہے۔انبیاء خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں وہ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں ، خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ دوسرے خداؤں کی پرستش سے بچاتے ہیں اس بناپر اس کی تفسیر یہ ہے کہ پیغمبرؐ اپنے قوم کے ایمان قبول کرنے سے مایوس ہوگئے اور قوم یہ سمجھ رہی تھی کہ پیغمبرؐ جھوٹ بول رہے ہیں کہ ہماری مدد آپہونچی۔ ۸۵؎ اس طرح آیت کے ظاہری الفاظ سے جو شبہ پیدا ہورہا تھا، امام علی رضاؑ نے اسے برطرف کردیا۔

آیات کے ظاہر سے پیدا ہونے والے شبہات اس کے حقیقی مطالب کے چہرہ پر گردوغبار ڈال دیتے ہیں اور پیغمبرؐ کے دامن عصمت کو داغدار بناتے ہیں۔امام رضا علیہ السلام نے ایسی موثر اور دلچسپ تفسیر کے ذریعہ گردوغبار کو صاف کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ امام علیہ السلام کے بیانات محض توجیہ اور تاویل نہیں ہیں بلکہ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جن کے علاوہ کوئی دوسرا پہلو اختیار ہی نہیں کرسکتا۔

مامون نے آیت ’’فوکزہ موسیٰ فقضیٰ علیہ قال ھذا من عمل الشّیطان‘‘۸۶؎ یعنی موسیٰ نے اسے گھونسا مارا اور وہ مرگیا۔انھوں نے کہا کہ یہ شیطان کا کام ہے، کے بارے میں سوال کیا امامؑ نے فرمایا کہ فرعون کی حکومت والے ایک شہر میں حضرت موسیٰ داخل ہوئے وہاں لوگ ان کے آنے سے بے خبر تھے، یہ مغرب وعشاء کے درمیان کا وقت تھا، اس وقت آپ نے دیکھا کہ دو افراد آپس میں لڑرہے ہیں ایک نبی اسرائیل سے ہے اور ایک انکا دشمن ہے۔حضرت موسیٰؑ کے ہم مسلک نے ان سے مدد مانگی آپ نے خدا کے حکم سے اس کی مدد کی۔ دشمن کو ایک گھونسا مارا اور وہ وہیں مرگیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس کے بعد فرمایا ’’یہ شیطان کا عمل ہے‘‘ مطلب یہ تھا کہ لڑائی جھگڑا شیطان کا عمل ہے نہ کہ حضرت موسیٰؑ کا دشمنِ خدا کو قتل کرنا۔ وہ یعنی شیطان گمراہ کرنے والا اور کھلا دشمن ہے۔

مامون نے پوچھا پھر حضرت موسیٰؑ ’’ربّ انّی ظلمت نفسی فاغفرلی‘‘۸۷؎

یعنی پالنے والے! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کا مطلب کیا ہے حضرت نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات میں اس شہر میں مجھے داخل نہیں ہونا چاہئے تھے۔

فاغفرلی ۸۸؎ مجھے دشمنوں سے مخفی کردے تاکہ وہ مجھ تک نہ پہونچ سکیں اور نہ مجھے قتل کرسکیں۔ خدا نے بھی انہیں بخش دیا، یا جو لفظیں ہیں ان کے مطابق چھپالیا کیوں کہ وہ ستار بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت موسیٰ نے کہا کہ جو طاقت وقوت مجھے دی یعنی ایک گھونسہ میں میں نے اس شخص کو ہلاک کردیا تو ایسی قوت کے ذریعہ میں مجرمین کی مدد نہیں کروں گا بلکہ شکران نعمت کے طور پر اسے بہتری کے راستہ میں صرف کروں گا تاکہ تو راضی ہوجائے۔

حضرت موسیٰ اس شہر میں خوف زدہ اور ہوشیار تھے۔ انہوں نے جس کی مدد کی تھی دوسری صبح جب وہی شخص نظر آیا اور اس نے پھر دوسرے دشمن کے بارے میں مدد مانگی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا تم واقعی شریر ہو۔ تم نے ایک شخص سے جھگڑا کیا تھا آج پھر دوسرے سے لڑ پڑے۔ میں تمہیں ادب سکھاؤں گا۔ آپ نے اسے بھی مارنا چاہا تو اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ آپ نے جس طرح کل ایک شخص کو مارڈالا تو کیا آج مجھے مارنا چاہتے ہیں کہا آپ جبار بننا چاہتے ہیں مصلح بننا نہیں چاہتے۔ ۸۹؎

مامون نے پھر دوسری آیتیں پیش کیں اور امامؑ نے اسے مطمئن کن جواب سے نوازا مامون نے کہا خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے ہمارے شبہات دور کردئے۔

حوالے:

۱۔رک۔طب الرضا ص۱۹،ص ۲۰

۲۔اعیان الشیعہ، ج ۴، ص ۱۴۳،ص ۱۴۴

۳۔ر۔ک،الفتوح ،ص۱۶۲

۴۔مروج الذہب،جلد ۲ ،ص ۳۲۷

۵۔تاریخ بغداد، جلد ۱۰،ص۱۸۶

۶۔العقد الفرید، جلد ۲،ص۲۰۷

۷۔ر،ک ،کشف المراد ،ص ۲۲۴،انوار الملکوت،ص ۱۹۲

۸۔مثلاً جاحظ کا رسالہ، الرد علی النصاریٰ ،ص ۴۲،۴۵

۹۔تاریخ ایران بغدادا سلام ،ص ۴۳۶

۱۰۔سیرۂ پیشوایان،ص۵

۱۱۔تاریخ تمدن اسلام، جلد ۳، ص۲۱۶

۱۲۔تاریخ تمدن اسلام، جلد، ۳ ص ۲۱۶

۱۳۔ تاریخ سیاسی اسلام ، ج ۲، ص۲۹۶، ص ۳۰

۱۴۔ابان بن محمود نے امام رضاؑ کو لکھا کہ مجھے ایمان ابوطالب میں شک ہے امامؑ نے جواب دیا کہ اگر تم ایمان ابو طالب کا اعتقادنہیں رکھتے تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ترجمہ الغدیر، جلد، ۱۴، ص ۳۳۷

۱۵۔عصر المامون، جلدص، ۳۴۷۔۳۷۱

۱۶۔عیون اخبار الرضا، جلد ۲، ص ۱۷

۱۷۔مجموعۂ آثار کنگرۂ جہانی امام رضاؑ ، جلد ۱، ص ۴۳۵

۱۸۔عیون اخبار الرضا ، ج ۱، ص۱۷۹، ص۱۸۹

۱۹۔بحار الانوار ، جلد ۴۹ ص۱۷۵

۲۰۔بحار الانوار ،جلد ۲۹۰، شرح میمیہ ابی فراس، ص ۲۰۴

۲۱۔نوفلی ثقہ ہیں اور نجاشی کے قول کے مطابق ان کی کتاب بھی ہے۔

۲۲۔یہ تذکرہ ضروری ہے کہ انجیل میں سفرنہیں ہے بلکہ یہ توریت کی اصطلاح ہے یہاں کہیں سے کوئی غلط بیان داخل ہوگیا ہے۔ یہ اصل میں ’’الاصحاح الثالث‘‘ ہے۔

۲۳۔سورۂ بقرہ، آیت ۵۵

۲۴۔سورۂ اعراف ،آیت ۱۵۵

۲۵۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۰۳، ۱۰۷

۲۶۔یونانی لفظ پرکلیتوس ہے جو معرّب ہونے کے بعد فارقلیط بن گیا ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے پرکلیتوس وہ شخص ہے جس کا نام ہر زبان پر ہے اور لوگ اسکی تعریف کرتے ہیں اور احمد کے معنی یہی ہیں اسی وجہ سے آج کے نصاریٰ انجیل کے ترجمہ ’’تسلی دینے والا‘‘ ترجمہ کرتے ہیں۔

۲۷۔عیون اخبار الرضا، جلد ۱، ص ۱۰۷، ۱۰۸

۲۸۔منتہی الآمال، ص ۱۰۴۷، ص۱۰۴۸

۲۹۔منتہی الآمال، ص۱۰۴۹، ص ۱۰۴۹

۳۰۔عیون اخبار الرضا، ج/۱، ص ۱۰۹، ص ۱۱۰

۳۱۔عیون اخبار الرضا۔

۳۲۔عمران صابی، صائبین کی طرف سے دفاع کررہا تھا۔صائبین اپنے آپ کو حضرت یحییٰؑ کا پیروکار سمجھتے ہیں

لیکن اس میں موحد ومشرک دوگروہ ہیں۔ ایک جماعت ستارہ پرست ہے لہٰذا انہیں کبھی ستارہ پرست کے نام سے بھی یا دکیا جاتاہے۔گذشتہ زمانہ میں عراق کے شہرتہران میں ان کا مرکزتھا پھر یہ عراق اور خوزستان کے دوسرے علاقوں میں بکھر گئے وہ اپنے عقیدہ کے مطابق بڑے دریا کے کنارے رہتے تھے آج بھی کچھ افراد اہواز یا دوسرے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

۳۳۔ضمیر کے مختلف معنی ہیں۔عمومی معنیٰ میں وجدان، اخلاقی معنیٰ میں وجدان۔آ گاہی کے معنیٰ میں وجدان۔ واقفیت سے منعکس ہونے والی سورت، قلب جو اندرونی ادراکات کا مطلق عامل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان میں سے آخر کے دورمعنیٰ عمران کا مقصود ہیں۔

۳۴۔نہضت کلامی درعصرامام رضاؑ ،ص ۱۶۵ و۱۶۶

۳۵۔عیون اخبار الرضا، ج/۱،ص۱۱۱۔ص ۱۱۹

۳۶۔نہضت کلامی درعصرامام رضا،ص ۱۷۶۔ص۱۷۷ کا خلاصہ

۳۷۔عیون اخبار الرضا، ج ۱،ص ۱۱۵۔۱۲۰

۳۸۔امام رضاؑ نے ولی عہدی قبول کرتے وقت یہ شرط رکھ دی تھی کہ میں نہ توکسی کومعزول کروں گا نہ منصوب لہٰذاحکومت کی طرف سے صدقات کی وصولی کے لئے ماموکیا جانا محل تردد ہے اس لئے ممکن ہے کہ امامؑ نے وجوہ شرعیہ کی وصولی کے لئے اپنے سال میں نمائندہ بنایاہو۔

۳۹۔لسان العرب، الصحاح، مادہ بداء: التعریفات ،ص ۴۴

۴۰۔سورۂ زمر، آیت ۴۷۔۴۸

۴۱۔سورۂ صافات، آیات ۱۰۲۔۱۰۵

۴۲۔سورۂ نور، آیت ۳۱۔سورۂ نحل، آیت ۱۴۔سورۂ ہود، آیت ۱۱۴،سورۂ نوح، آیت ۱۰۔ ۱۳۔سورۂ انفال آیت ۳۴

۴۳۔اصول کافی، جلد ۱،ص ۱۴۸۔شرح الاصول الکافی ،ص ۳۷۹

۴۴۔سورۂ مریم ،آیت ۶۷

۴۵۔سورۂ روم ، ۲۷

۴۶۔سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۷

۴۷۔سورۂ فاطر،آیت ۱

۴۸۔سورۂ سجدہ، آیت ۷

۴۹۔سورۂ توبہ، آیت ۱۰۶

۵۰۔سورۂ فاطر ،آیت ۱۱

۵۱۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۲۲

۵۲۔سورۂ الزاریات ، آیت ۵۴

۵۳۔سورۂ الزاریات، آیت ۵۵

۵۴۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۲۳

۵۵۔سورۂ مائدہ ، ۶۴

۵۶۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۲۳۔ ۱۲۴

۵۷۔ضرار بن عمر دوسری صدی ہجری میں تھا۔فرقۂ ضراریہ کی طرف منسوب ہے۔

۵۸۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۲۷

۵۹۔سورۂ اسراء، آیت ۸۶

۶۰۔سورۂ مؤمن، آیت ۶۰

۶۱۔سورۂ فاطر، آیت ۱

۶۲۔سورۂ رعد، آیت ۲۹

۶۳۔سورۂ اسراء ، آیت ۸۶

۶۴۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۲۹، ۱۳۳

۶۵۔سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۱

۶۶۔سورۂ انبیاء، آیت ۸۷

۶۷۔سورۂ یوسف، آیت ۲۴

۶۸۔سورۂ ص، آیت ۲۴

۶۹۔سورۂ احزاب ، آیت ۳۷

۷۰۔سورۂ آل عمران، آیت ۷

۷۱۔سورۂ آل عمران، آیت ۳۳

۷۲۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۴۳

۷۳۔سورۂ ص ، آیت ۲۳

۷۴۔سورۂ ص ، آیت ۲۶

۷۵۔سورۂ احزاب ، آیت ۳۷

۷۶۔سورۂ طٰہٰ ، آیت ۱۲۱

۷۷۔سورۂ طٰہ، آیت ۱۲۲

۷۸۔سورۂ آل عمران، آیت ۳۳

۷۹۔عیون اخبار الرضا، جلد ۱، ص۱۳۶ و ۱۳۷

۸۰۔سورۂ انعام، آیات:۷۶ ۔۷۹

۸۱۔سورۂ انعام، آیت ۸۳

۸۲۔عیون اخبار الرضا، ج ر۱، ص ۱۳۷ و ۱۳۸

۸۳۔سورۂ یوسف، آیت ۱۱۰

۸۴۔سورۂ یوسف، آیت ۸۷

۸۵۔عیون اخبار الرضا، جلد ۱، ص ۱۴۳

۸۶۔سورۂ قصص، آیت ۱۵

۸۷۔سورۂ قصص، آیت ۱۶

۸۸۔غفران کے اصل معنی چھپانے اور مخفی کرنے کے ہیں لیکن اغفرلی کی ترکیب کے معنی ہیں میرے لئے چھپادے لیکن یہاں اغفرلی کے معنی ہیں مجھے چھپادے۔

۸۹۔عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۳۹۔۱۴۰